OCTOBER 2005
ماہنامہ
کرن
س شمارے کے ساتھ کرن کتاب

مکمل ناول

آگئے بے خبر تھے

نادیہ جہانگیر

digest novels lovers group ❤❤

کھٹاک کی آواز کے ساتھ دروازہ بند ہوا تھا اس نے مڑ کر دیکھنا ضروری نہ سمجھا وہ دیکھے بغیر بھی جان سکتی تھی کہ آنے والا کون "تمیزدار" ہے وہ خاموشی سے کپڑے دھوتی رہی۔ وہ تن فن کرتا اس کے قریب سے گزرا اور برآمدے میں جا کر ہاتھ میں پکڑی فائل میز پر پٹخ دی، وہ چپ چاپ کپڑے کھنگال کر انہیں تار پر پھیلانے لگی، وہ گریبان اور آستینوں کے بٹن کھولتا کچن میں چلا گیا، پھر اسے کچن سے برتنوں کے کھٹ پٹ کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں، یقیناً" وہ برتنوں پہ

اپنا غصہ نکال رہا تھا۔ وہ کپڑوں سے فارغ ہوئی تو صحن میں بچھی چارپائی پر سے دھلے برتن اٹھانے لگی وہ فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال لایا، برآمدے میں کھڑا ہو کر بوتل منہ کو لگالی۔

"پانی بیٹھ کر پی لیں۔" اس نے بوتل بند کیے بغیر فریج میں رکھی اور بولا۔

"کھانا لاؤ۔" وہ اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتا حکم دیتا اندر کی جانب بڑھ گیا۔

"کتنے وحشی ہو تم سمیر علی۔" اس نے ڈوبتے دل کے ساتھ ادھ کھلے دروازے سے اسے کھینچ کھانچ کر شرٹ اتارتے دیکھ کر دل میں سوچا اور کچن میں چلی گئی۔

"کھانا جلدی لاؤ۔" اس کے چیخنے کی آواز آئی تھی۔

"بس ایک منٹ۔" یہ کہہ کر وہ جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی۔

"کتنے بدذائقہ چاول ہیں، کیا پکانے کا ڈھنگ نہیں" جب وہ کچھ نہ بولی تو اس نے اسے گھور کر دیکھا اور ذرا غصے سے بولا۔

"بہت بدسلیقہ عورتیں دیکھی ہیں پر تم سے بڑھ کر پھوہڑ کوئی نہیں۔ نہ کھانے کا سلیقہ، نہ پکانے کا خدا جانے کیسی عورت ہو تم،" وہ غصے سے مسلسل اسے گھور رہا تھا لیکن وہ منہ سیے اس کی چلتی زبان کو مزید چلنے کا حوصلہ بخش رہی تھی۔

"گھر میں کوئی اور شے کھانے کے لیے نہیں تھی جو

یہ فضول چیز میرے سامنے لے آئی ہو۔ بیٹھی رہو منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر میں کچھ بھی بھونکتا رہوں تمہیں اس سے کیا سروکار۔" وہ بپھر کر اٹھ کھڑا ہوا۔ میز کو زور دار ٹھڈا مارا تو چوٹ اپنے پیر پہ لگی' اوئی کر کے دوبارہ سے بیٹھ گیا۔ پانی کا سارا جگ گر چکا تھا' ساتھ شیشے کا گلاس بھی گر کر کرچی کرچی ہو گیا۔

"آپ بھی نا بس۔" وہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کا پاؤں سہلانے لگی۔

"غصہ کنٹرول کرنا سیکھیں سمیر اپنے آپ کو قابو میں رکھا کریں" وہ اس کے صحت مند سرخ و سفید وجود سے نظریں چراتے ہوئے اسے نرمی سے سمجھانے لگی۔

"کیا کروں' کیا کروں یہ دنیا مجھے کھا رہی ہے۔" وہ تپ کر بولا جبکہ وہ افسوس سے اسے دیکھنے لگی۔

"جانتی ہو آج وہ بڈھا نسیم زبیری مجھ سے بدتمیزی کرنے لگا تھا کہنے لگا میں کام توجہ سے نہیں کرتا میرے کام میں لگن نہیں ہے۔ پورے اسٹاف کے سامنے وہ میری بے عزتی کرنے لگا' اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ رہا تھا' بہت طاقتور' ہونہہ میں نے بھی اس کے سارے بل کس نکال دیے۔"

"تو کیا آپ نے......؟"

"ہاں' میں نے اس کا گریبان پکڑ کر دو تھپڑ لگائے اس کے چہرے پر' دو تین گھونسے بھی جڑ دیے' وہ تو اسٹاف کے ممبرز نے انہیں کھینچ لیا' ورنہ ......" وہ دانت کچکچانے لگا۔ "کہنے لگا دفع ہو جاؤ۔ ادھر سے' میں نے آتے ہوئے اسے خوب مزہ چکھایا دھمکی دے رہا تھا پولیس کی ہونہہ۔"

یہ تو طے تھا نہ تو وہ کوئی کام دل سے کرتا تھا اور نہ توجہ سے' بس تنخواہ کی خاطر اسے آفس میں کوئی کشش محسوس ہوتی تھی وہ بھی مہینے کے شروع میں' ورنہ بعد میں تو آفس اس کے لیے ایک بوجھ ہی ہوتا تھا۔

"آپ کیوں جذباتی ہو جاتے ہیں سمیر' اب یہ بھی نوکری جاتی رہی۔" اس نے جھٹکے سے اپنا پیر اس کے ہاتھوں سے کھینچا۔

"نوکری..... تمہیں نوکری کی پڑی ہے' پیسے جاتے ہوئے نظر آرہے ہیں اور جو میری انسلٹ ہوئی' اس کی تمہیں پرواہ نہیں' واہ ارسہ واہ' تمہیں شوہر کی انسلٹ کا کوئی خیال نہیں' صرف پیسوں کی پڑی ہے۔"

"میں نے ایسا تو نہیں کہا سمیر۔"

"کہنے تو یہی جا رہی تھیں نا۔" وہ چپ سی ہو گئی۔ وہ شرٹ اٹھا کر باہر چلا گیا۔

"کیسے انسان ہو تم سمیر علی' تمہیں کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا' میں بھی..... شاید پوری زندگی نہ تمہیں سمجھ سکوں" وہ اٹھ کر پلیٹیں اٹھانے لگی۔

☼ ☼ ☼

ارسہ اس کی دور پرے کی رشتہ دار تھی' یتیم تھی اپنے چچا کے گھر میں رہتی تھی' چچا کے گھر والوں کا اس کے ساتھ سلوک کوئی اچھا نہ تھا وہی روایتی چچی' ہر کام میں اس کو گھسیٹتی' طعنے تشنے' گالیاں' بکواس' مار کٹائی' سب کچھ ہی اسے چچا کے گھر سے ملا خالہ ایک ہی تھی لیکن بہت غریب' تینوں بیٹیوں اور دو بیٹوں کے ساتھ بامشکل گزارہ کر رہی تھی' خالو اکیلے کمانے والے تھے وہ وہاں جا کر ان کی پریشانیوں میں مزید اضافہ نہیں کرنا چاہتی تھی' سو خاموشی سے ہر تیر سہے جاتی۔ دوسری خالہ کب سے وفات پا چکی تھیں۔ ان کے دو بیٹا' بیٹی بھی چھوٹی خالہ ہی کے سپرد تھے۔ اسی لیے وہ ان کی ذمہ داری میں نہیں آنا چاہتی تھی۔ نجف بھائی کی شادی تھی (چچا کا بڑا بیٹا) خاندان کے سب ہی لوگ شریک ہوئے تھے جن میں عالیہ بیگم اور ان کا مغرور بیٹا سمیر بھی شامل تھا۔

چچی نے ہر کام اس کے نازک کندھوں پر ڈال رکھا تھا' نہ دن کا چین نہ رات کا سکون' بس پھرکی کی طرح ہر وقت گھومتی رہتی' سردرد کرنے لگتا' ٹانگیں شل ہو جاتیں' ہاتھ پیر مزید کام کرنے سے عاری' دل الگ تھکا تھکا' دماغ بالکل ماؤف' لیکن اسے ہر کام کرنا ضرور تھا اور ہر کام تھا بھی لازمی مہمانوں کی دیکھ بھال وہ بوکھلائی

بوکھلائی کبھی اوپر، کبھی نیچے کبھی دائیں بائیں گھومتی رہتی، پرچچی کو اس کا کوئی خیال نہ تھا۔
عالیہ بیگم جو مسلسل دو دنوں سے اسے پھرکی کی طرح گھومتے دیکھ رہی تھیں انہوں نے پکڑ کر اسے پاس بٹھالیا۔
"اتنے کام کیوں کرتی ہو پتر، اس عذرا کی اپنی بھی تو چار بیٹیاں ہیں، وہ کیوں نہیں کرتیں۔" ان کے محبت سے کہنے پہ وہ ہولے سے ہنس دی۔
"خالہ یہ میری عادت ہے۔"
"اے ہے یہ کیسی عادت، سچ کہو عذرا بیگم نے تمہیں ماسی سمجھ رکھا ہے۔" ان کے سچ کہنے پہ اس کی آنکھوں میں نمکین پانی تیرنے لگا جو شاید عالیہ بیگم نے تو نہ دیکھا تھا لیکن کسی اور نے ضرور دیکھ لیا تھا۔
وہ چائے لے کر نجف بھائی کے کمرے میں آئی، چائے پکڑاتے پکڑاتے دو تین بوندیں گرم چائے کی چھلک کر نجف کے ہاتھ پہ گر گئیں اس نے کپ چھوڑ کر ایک زور کا تھپڑ اسے دے مارا، گرم گرم چائے اس کے پیروں کو جھلسا گئی اس سے پہلے کہ وہ سیدھی ہوتی نجف کو عالیہ بیگم کا نک چڑھا بیٹا ایک زوردار طمانچہ رسید کر چکا تھا۔
"کیا سمجھتے ہو تم سب، یہ انسان نہیں۔ جانور ہے نوکروں کی طرح اس سے کام کرواتے ہو کیا نوکر ہے یہ تمہاری؟"
"تم کون ہوتے ہو بولنے والے؟" جواباً اس نے بھی اسے گھر کا سبھی لوگ ان کا شور سن کر ادھر آ گئے تھے۔ وہ سہم کر پیچھے ہٹ گئی۔
"کیا ہوا، کیا ہوا۔" دونوں کے درمیان بیچ بچاؤ کروایا گیا پھر کسی کو خیال آیا کہ جنگ کس بات پر شروع ہوئی تھی۔
"کیا ہوا تھا۔" کسی نے پوچھا وہ تو چہرہ صاف کرتا سانس بحال کرتا ایک طرف بیٹھ گیا البتہ نجف نے سارا پول کھول دیا کہ یہ کس کی ہمدردی میں اس پہ جھپٹا تھا۔
"عاشق ہے نا، بھلا اپنی محبوبہ کو کام کرتے دیکھ کر

بیوٹی بکس کا تیار کردہ
سوہنی ہیئر آئل

★ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے،
★ نئے بال اگاتا ہے
★ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے
★ مردوں عورتوں اور بچوں کے لیے یکساں مفید
★ ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

"سوہنی ہیئر آئل" 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک شیشی کی قیمت صرف /60 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں

قیمت /60 روپے

ایک شیشی کے لیے ـــــ /80 روپے
2 شیشیوں کے لیے ـــــ /140 روپے
3 شیشیوں کے لیے ـــــ /210 روپے

نوٹ! اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں

منی آرڈر بھیجنے کے لیے ہمارا پتا:
بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ سیکنڈ فلور ایم اے جناح روڈ کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان پتوں سے حاصل کریں
★ بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ سیکنڈ فلور ایم اے جناح روڈ، کراچی
★ مکتبۂ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی فون نمبر 7735021

کیسے برداشت کر سکتا تھا' خوامخواہ پنگا لینے بیٹھ گیا۔"
نجف بھائی بڑی دور کی لائے تھے۔
"بکواس کرتے ہو تم......" وہ چلایا تھا اتنے گھٹیا الزام پر' وہ تو اس لڑکی کو ہی پہلی بار دیکھ رہا تھا کجا کہ عاشق ہونے کا الزام۔ وہ ان پہ ایک بار پھر جھپٹنے کے لیے تیار تھا۔
"بکواس میں کر رہا ہوں یا تو' بتا کیا رشتہ ہے تیرا اس لڑکی کے ساتھ' اس کی خاطر مجھے آگ کیوں لگی؟"
"میں کہہ رہا ہوں بکواس بند کرو' ورنہ منہ توڑ دوں گا۔" وہ چلایا
وہ دروازے کے ساتھ کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی' اس کی ذات کو نشانہ بنایا جا رہا تھا' اس پہ گھٹیا الزام لگائے جا رہے تھے' اس شخص کے ساتھ' جسے شاید اس نے غور سے بھی نہ دیکھا تھا' اس کی شخصیت کے پرخچے اڑائے جا رہے تھے۔ بخیے ادھڑ رہے تھے اس کی عزت کے' وہ اپنے آپ کو کسی کھائی میں گرتا محسوس کر رہی تھی جب اسے اپنی کلائی پر کسی مضبوط ہاتھ کی گرفت محسوس ہوئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو آنکھوں سے گرم سیال مادہ گرتا محسوس ہوا۔
"ایسا ہی اپنے قول کا پکا ہے اس کی اتنی ہی عزت کرتا ہے تو شادی کر لے اس سے ابھی اس وقت۔"
نجف نے طعنہ دیا وہ اسے گھورتا رہا سارے لوگوں کی نظریں اسی پر تھیں کچھ لمحے اس نے سوچا اور پھر اسے کھینچتا ہوا باہر لایا سامنے کرسی پر پٹخا اور خود بھی ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔
کیا ہو رہا تھا کون کیا کہہ رہا تھا وہ کچھ نہیں جانتی تھی' اس کے تمام اعصاب شل ہو چکے تھے۔ اس کی ہر حس بے کار ہو چکی تھی' نہ وہ کچھ دیکھ رہی تھی اور نہ سن رہی تھی صرف محسوس کر رہی تھی کہ اس کی کلائی کو کسی نے اپنی آہنی گرفت میں دبوچ رکھا ہے اس کے تمام حواس اس کا ہاتھ چھوڑ چکے تھے۔ وہ ناسمجھی کے عالم میں لوگوں کو دیکھ رہی تھی ہوش تو اسے تب آیا جب اس سے پوچھا گیا۔
"سمیر علی ولد علی محمد تمہیں قبول ہے۔" وہ ٹھٹک کر دائیں بائیں دیکھنے لگی' عالیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔
"کہو بٹی قبول ہے..." وہ خاموش رہی اس سے دوبارہ پوچھا گیا اس نے ایک نظر ساتھ کھڑے طنزیہ نظروں سے مسکراتے نجف کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا پھر دوسری بار بھی اور پھر تیسری بار بھی چچا گواہوں میں شامل تھا چچی نجانے کدھر تھیں نجف بھی جا چکا تھا۔ سب لوگ عالیہ بیگم اور ان کے بیٹے کی تعریفیں کر رہے تھے' انہیں دعائیں دے رہے تھے' جنہوں نے کسی لالچ کے بغیر یتیم بچی کے سر پر ہاتھ رکھا تھا' عالیہ بیگم خوشی خوشی سب سے مبارک باد وصول کر رہی تھیں جیسے وہ یہاں نجف کی شادی پہ نہیں بلکہ آئی ہی سمیر کی شادی کے لیے ہوں۔
"چلو بیٹا۔" عالیہ بیگم نے اسے پکڑ کر اٹھالیا۔
"کہاں؟" وہ ناسمجھی سے بولی۔
"اپنے گھر......"
"اپنے گھر......" وہ بڑبڑائی چچی نے اسے ساتھ لگالیا۔
خالہ نجانے کس راہ سے آئی تھیں آتے ہی اسے ساتھ لگا کر رونے لگیں۔ وہ بھی رو پڑی' ماں کے بعد اس نے انہی میں تو ممتا کی تلاش کی تھی۔ پھر نجانے کون سی گاڑی میں وہ اس گھر پہنچی تھی جو "اپنا گھر" تھا۔
"تم بیٹھو ادھر میں دو منٹ میں آئی' پڑوس سے فون کروں گی ثانیہ ثناء کو دیکھنا وہ ابھی دوڑی چلی آئیں گی' تم گھبرانا نہیں' میں بس آئی۔" وہ اسے صحن میں پڑی چارپائی پر بٹھا کر خود نجانے کہاں چلی گئیں۔
سمیر نہیں راستے میں ہی رک گیا تھا' اسی لیے وہ اس وقت گھر میں اکیلی تھی۔
"ثانیہ' ثنا نجانے کون ہیں۔" وہ آسمان پر نگاہیں جمائے سوچنے لگی۔
قریبی مسجد سے عصر کی اذان کی آواز ابھری تو اس نے بے اختیار دوپٹہ سر پر پھیلا لیا۔
"یا اللہ میرے ساتھ بہتر کرنا۔" صرف یہی دعا تھی جو وہ بار بار مانگتی رہی۔ عالیہ بیگم ہنستے ہوئے واپس آئی

تھیں۔ ان کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھا' آتے ہی انہوں نے ڈبہ نکالا' اور سرخ ربن کھول کر گلاب جامن نکال کر اس کے منہ میں رکھ دیا۔

"ادھر تو مٹھائی ملی نہیں' اب پڑوس کے بچے کو بھگایا تو وہ جھٹ لے آیا" انہوں نے ایک لڈو خود اپنے منہ میں رکھ لیا۔ اور اس کے بعد تیسرا بھی وہ تو دیکھتی رہ گئی۔

"یہ لو' یہ بھی کھاؤ۔" انہوں نے رس گلا اس کی طرف بڑھایا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں نے نماز پڑھنی ہے۔"

"کیوں نہیں' میری بیٹی تم وضو کر لو میں تمہارے لیے جائے نماز نکالتی ہوں۔" وہ وضو کر چکی تو انہوں نے ایک کونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ نماز پڑھنے لگی۔

اپنے لیے خیر کی دعا کی' اسے خیر کے سوا چاہیے بھی کیا تھا۔ باہر آئی تو عالیہ بیگم کچن میں کھڑی نظر آئیں۔ وہ ان کے قریب چلی آئی۔

"بھوک لگی ہے نا؟" انہوں نے پوچھا تو وہ انکار کرنے لگی۔

"چل پگلی میں کیا نہیں جانتی کتنے دنوں سے تو بھوکی ہے۔" وہ اسے محبت سے ڈانٹنے لگیں۔ تو وہ ان کو دیکھے گئی۔

"جلدی میں یہی بنا ہے" انہوں نے کچھ سالن اور گرم گرم دو چپاتیاں اس کے سامنے رکھیں تو وہ ان کی محبت پہ رونے لگی۔

رونا نہیں' میری بیٹی ہے تو' ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گی' انہوں نے فوراً" اسے ساتھ لگا لیا۔

"خالہ!"

"اوں' ہوں خالہ نہیں اماں۔ اگر سمیر کی اماں ہوں تو تمہاری بھی اماں ہوں۔" اس کی آنکھوں میں پھر سے آنسو آ گئے۔ وہ محبت سے اس کے آنسو پونچھنے لگیں۔ کسی نے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا تو اماں باہر کو دوڑیں۔

"یقیناً وہی ہیں۔" اس کا دل زور سے دھڑکا' اماں کی آواز پہ وہ کھانا چھوڑ کر باہر نکل آئی۔ اسے سمیر کا سامنا کرتے شرم آ رہی تھی' لیکن جب باہر آئی تو کوئی مرد نہیں بلکہ دو لڑکیاں تھیں' ساتھ چھوٹے چھوٹے تین بچے۔

"کہاں ہے ارسہ؟" وہ لڑکیاں آتے ہی پوچھنے لگیں۔ پھر اسے دیکھتے ہی اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"آہا' یہ ہے ہماری بھابھی۔"

"ہائے کتنی پیاری ہے' کتنی خوب صورت۔"

"بال کتنے پیارے ہیں۔"

"آپی جلد دیکھیں کتنی نرم ہے اس کی' آپ تو کریمیں لگا لگا کر بھی ایسی جلد نہ کر سکیں۔ اور ہانیہ آپی کی بھی ایسی نہیں ہے۔"

"ارسہ بیٹا یہ ثانیہ ہے اور یہ ثنا دونوں سمیر سے چھوٹی ہیں۔"

"لیکن تم سے بڑی ہیں" اماں کی بات کو ثانیہ نے کاٹا۔

"رتبے میں بھی اور عمر میں بھی" ثنا کے کہنے پر سب ہنسنے لگیں۔

ماں نے شاید فون پہ ہی ساری بات انہیں سمجھا دی تھی اسی لیے وہ تفصیل میں نہیں جا رہی تھیں۔

"اماں میں ارسہ کے مہندی لگا دوں؟" ثناء نے پوچھا تو اماں مسکرا دیں۔

ثانیہ دوڑ کر گئی اور آتے وقت اس کے ہاتھ میں مہندی کا کون تھا' دونوں بہنیں اس کے مہندی لگانے لگیں۔ وہ نہ' نہ کرتی رہ گئی۔

"دلہن خاموش بیٹھتی ہے۔" ثانیہ کے ڈپٹنے پہ وہ چپ سی ہو گئی۔

"برا مان گئیں ارے پگلی میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی' بول لے جتنا بولنا ہے۔" ثانیہ کو اس کی معصوم صورت پر ترس آ گیا۔

"کیونکہ بعد میں تم نے تھوڑی بولنا ہے بھائی تو اپنے سامنے کسی کو بولنے نہیں دیتے۔" ثنا نے کہا تو ثانیہ اسے آنکھیں دکھانے لگی۔

وہ تو اس جذباتی انسان کو دیکھ کر پہلے ہی ڈر گئی تھی۔

اس کا دل سوکھے پتے کی مانند کانپا تھا۔

"تمہیں پہلے ہی بتا دیں وہ کافی غصیلے ہیں" غصہ تو وہ اس کا دیکھ ہی چکی تھی' اب تو ان کے بتانے پہ مزید ڈر گئی۔

"لیکن خیر تمہیں کچھ نہیں کہیں گے' کیونکہ بیوی کے سامنے تو کوئی شوہر نہیں بولتا" "ہر کوئی تمہارے شوہر جیسا نہیں ہوتا۔" ثانیہ نے ثنا کو چھیڑا تو وہ ہنسنے لگی۔

وہ دونوں اس کی ڈری سہمی حالت کو انجوائے کر رہی تھیں۔

"عمیر بھائی تو پھر بھی ذرا نرم دل ہیں پر یہ سمیر...... اللہ توبہ۔"

"ہیں....." اس کے تو پسینے چھوٹ گئے تھے اور دل زور زور سے دھڑکنے لگا (شاید کسی نے دل کو چھوا تھا)

"ممایہ کون ہے؟" ایک تین سالہ بچہ جو ان تینوں کے پاس بیٹھا اشتیاق سے کبھی اسے دیکھتا کبھی اس کی مہندی کو' اب درمیان میں بول ہی پڑا۔

"ڈیئر یہ تمہاری ممانی ہے' سمیر ماموں کی بیوی۔"

"ماموں کی۔" بچے کی آنکھیں چمک اٹھیں' جبکہ اسے ڈھیروں شرم نے آ لیا' سمیر کا نام ہی اس کی دھڑکنوں کو مرتعش کر رہا تھا جب وہ سامنے آتا نجانے اس کی کیا حالت ہوتی یا پھر شاید وہ نئے احساسات میں گھر کر ماضی سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔

"لیکن وہ تو بہت سخت مزاج ہیں۔"

بہت کچھ یاد آنے پہ اس کا دل سہم سا گیا۔ جبکہ وہ نرم دل والے کی خواہاں تھی اور نرم دل والا......

"مامی مجھے بھی مہندی لگائیں نا۔" بچہ اس سے اصرار کرنے لگا جبکہ اس کی سانسیں

"مامی۔" پہ ہی اتھل پتھل ہونے لگیں۔

کسی خاص نام سے آپ کو چھیڑا جائے تو کتنا سرور ملتا ہے' اسے اس وقت سمجھ آ رہا تھا۔

"اماں ارسہ کو دلہن بھی بنائیں؟"

"ہاں' ہاں کیوں نہیں۔"

"ر..... رہنے دیں۔" وہ تھوڑا سا منمنائی لیکن اس کی کس نے سننی تھی وہ دونوں کمرے میں گئیں کچھ ہی دیر بعد واپس آ گئیں۔

وہ مغرب کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو انہوں نے جھٹ اسے پکڑ لیا۔ نجانے اس کے چہرے پہ کیا کیا لیپا پوتی کرنے لگیں۔

"ہائے آپی دیکھیں کتنا اچھا رنگ آیا ہے" دونوں اس کے ہاتھوں کو دیکھنے لگیں' مہندی کا رنگ بہت گہرا تھا۔

"آہا' بھائی اب بنیں گے اس کے غلام۔" وہ دونوں ہنسنے لگیں جبکہ وہ ہنس بھی نہ سکی۔

جذبات میں آ کر وہ اس کے ساتھ اپنا نام جوڑ بیٹھا تھا اب نجانے وہ اسے قبول کرتا بھی یا نہیں' یہی خیال اسے ہولائے جا رہا تھا' آدھے گھنٹے میں وہ مکمل دلہن بن چکی تھی۔

ماضی سے چھٹکارا پانا آسان نہیں لیکن وہ حقیقت پسند تھی سو حقیقت کو تسلیم کرنا ہی حقیقت تھا۔

وہ بھاری دوپٹے کو سنبھال کر تھک چکی تھی۔ میرون کلر کا لہنگا اس پہ بچ بھی بہت رہا تھا۔ اسے کمرے میں بٹھایا گیا تو وہ سکھ کی سانس لینے کے بجائے پریشان سی ہو گئی' سمیر سے پوچھے بنا ہی اسے دلہن بنا کر اس کے کمرے میں لا بٹھایا تھا' اس نے تو چار منٹ کے اندر اندر اسے صرف اپنا نام دیا تھا جسے وہ جانتا تک نہ تھا بھلا اسے کیسے قبول کر لیتا۔ وہ کانپتے دل کے ساتھ اس کی دہشت ناک آمد کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ یہ بھی بھول گئی کہ اس کے کچھ خواب بس خواب ہی رہ گئے۔

دس بجے کے قریب وہ گھر میں داخل ہوا تھا۔ ثانیہ ثنا نے اسے راستے میں ہی دھر لیا۔

"ایں۔ تم دونوں آج پھر آ ٹپکیں۔" وہ ان کی آمد پہ حیران ہوا تھا۔

"تو کیا اپنے بھائی کی شادی پہ بھی نہ آتیں۔" ثانیہ نے تڑخ کر پوچھا۔

اس کی بات پر وہ مزید حیران ہوا۔ سردی کی وجہ سے دونوں ہاتھ آپس میں مل رہا تھا۔

"تمہارے عمیر بھائی کے دو بچے ہیں' کہیں انہوں

نے دوسری تو نہیں کرلی؟"
"بھائی۔" وہ دونوں چیخیں' خود دلہن لا کر پوچھ رہے ہیں کہ عمر بھائی نے تو شادی نہیں کرلی۔"
"دلہن۔" وہ ذہن پر زور ڈالنے لگا پھر ثنا کو دیکھنے لگا۔
"اوہ..... وہ تو بس اتفاق تھا شادی تھوڑی' جاؤ ثنا تم کھانا لاؤ" یاد آنے پہ اس نے کندھے اچکائے تو ثانیہ بگڑ گئی' ثنا بھی لقمے دینے لگی تو اسے مجبوراً" ان لوگوں کو نیگ دینا پڑا' اب انہیں کیا بتاتا اسے تو یاد بھی نہ رہا تھا کہ آج دوپہر کو وہ کسی کو اپنے نام کرچکا ہے' اسے سچ مچ آج کے دن کا واقعہ بھول چکا تھا۔ ویسے بھی یاروں دوستوں کی خوشگوار محفل میں وہ سب بھول جاتا تھا یہ تو پھر بھی اک معمولی سا واقعہ تھا۔
"بیٹا جسے تم نے اپنا نام دیا ہے اسے محض نام کی نہیں محبت اور عزت کی بھی ضرورت ہے' یقیناً" تم اسے سب کچھ دوگے۔" جب وہ کھانا کھا چکا تو عالیہ بیگم نے بڑی محبت سے اس سے کہا وہ بھنویں اچکا کر انہیں دیکھنے لگا لیکن وہ پانی پی کر واپس جا چکی تھیں۔ وہ ان کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔
"نجانے کس کی بات کررہی ہیں۔" کچھ نہ سمجھ آنے پہ وہ کندھے اچکا کر اپنے کمرے میں آگیا' دروازہ کھولتے ہی گلاب کے تازہ پھولوں کی خوشبو اور موتیا کی مہک نے اس کا استقبال کیا تھا پھر اک دم اس کی نظر سامنے پڑی تھی' اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں' پھر ان میں ناگواری در آئی' بعد میں اسے سامنے بیٹھی ارسہ پہ غصہ آگیا۔
"تم یہاں کیا کررہی ہو؟" اس نے تڑخ کر پوچھا تو اس نے فوراً" سر اوپر اٹھایا۔
"و..... وہ' وہ اماں' ثانیہ۔" وہ یوں بگڑ کر پوچھ رہا تھا جیسے وہ کچھ جانتا ہی نہ ہو۔ وہ دو قدم آگے بڑھ آیا۔ وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔
"یوں کیا دیکھ رہی ہو' کیا اس طرح میں تمہیں قبول کرلوں گا؟" غصے سے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ ڈر کر تھوڑی سی پیچھے ہٹی۔
"لیکن آپ نے ہی تو....." اسے رونا آگیا۔
"ہاں میں نے صرف تمہیں وہاں سے نکالا ہے' اور تمہیں وہاں سے نکالنے کی ایک یہ ہی صورت ہوسکتی تھی تمہیں کس نے کہا کہ یوں بن سنور کے بیٹھو' کیا میں تمہیں قبول کرلوں گا؟" وہ غصے سے پھنکارا۔
وہ کچھ نہ بولی' بے بسی سے اپنے آنے والے آنسوؤں کا گلا گھونٹتی رہی۔
"مجھے ترس آیا تھا تم پر' تمہاری حالت پہ افسوس ہوا تھا' رحم دل ہوں میں اس لیے تمہیں وہاں سے نکال لایا لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تمہیں شعلہ جوالہ بنا دیکھ کر تمہارے سامنے بچھ جاؤں گا یا تمہیں دل سے قبول کرلوں گا کیا تک بنتی ہے تمہاری یہاں بن سنور کے بیٹھنے کی۔" اس کی زبان آگ اگل رہی تھی جو ارسہ کو جھلسائے جارہی تھی۔
"کیا تم نہیں جانتیں کہ میں تمہیں پہلے جانتا تک نہ تھا اگر میں نے تم سے نکاح کیا ہے تو صرف تم پر ترس کھا کر ہی کیا ہوگا' کیا اتنی خوش فہم ہو کہ سب بھول بیٹھیں" اس کی شعلہ برساتی نگاہیں مسلسل اسے جلا رہی تھیں' نہ' نہ کرتے ہوئے بھی آنسو رک نہ سکے پلکوں کی باڑھ توڑ کر گالوں پہ لڑھک آئے وہ یکدم چپ سا ہوگیا' شاید اب بھی اس پہ ترس آگیا تھا۔
"جاؤ کپڑے بدل لو۔" اب کی بار وہ صاف لہجے میں بغیر غصے کے بولا تھا۔ وہ آنسو صاف کرتی فوراً" اٹھ کر واش روم میں چلی گئی' وہ دھپ سے پلنگ پر گر گیا۔
"نجانے اماں بھی کیا ہیں مجھ سے پوچھے بنا اسے یہاں لا بٹھایا' اب اسے باہر بھی نہیں نکال سکتا' خوامخواہ بات بڑھے گی' اماں' بہنیں اور یہ خود اگر باہر نکال دیا تو اس کی بے عزتی ہوجائے گی لڑکی ہے' دل بہت نازک ہے' کیا کروں" وہ الجھتا سر تک چادر اوڑھ کر لیٹ گیا وہ باہر آئی تو اسے سوتا پایا بے چینی سے ہاتھوں کی انگلیاں چٹخانے لگی کہ اب کیا کرے اس نے چادر سے چہرہ نکال کر اسے دیکھا تو وہ بے بسی و مجبوری کی تصویر بنی پلکیں جھپک جھپک کر آنسو پیچھے دھکیلتی کچھ سوچ رہی تھی۔
"تمہیں سونا تو ہے اب تمہیں کہاں سلاؤں۔" وہ

بے زار ہوا۔ وہ چپ رہی' وہ کمرے میں نظریں گھماتا رہا کچھ سمجھ نہ آیا تو تھک سا گیا۔

"میں... میں نیچے سو جاتی ہوں۔"

"کیا مرنے کے ارادے ہیں" وہ تڑخ کر بولا تو وہ سہم سی گئی۔ اب جاتی بھی کہاں۔

"چلو یوں کرو" وہ تھوڑا سا رکا اسے ناگواری سے دیکھا پھر بولا۔

"ادھر ہی لیٹ جاؤ" اس نے پلنگ کی طرف اشارہ کیا تو وہ خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی' یقیناً خدشہ تھا کہ وہ سراسر مذاق کر رہا ہے' وہ تو اسے دیکھنا گوارا نہیں کر رہا تھا کجا کہ پاس سلانا' یہ ناممکن تھا۔

"لیٹ بھی جاؤ' مجھے نیند آ رہی ہے اور ہاں لائٹ آف کر دو۔" وہ جانتا تھا وہ کیوں ہچکچا رہی ہے اسی لیے فوراً" کروٹ لے کر آنکھیں موند گیا۔ وہ لائٹ آف کرتے ہوئے کانپ رہی تھی کہ اگر وہ لیٹ گئی تو ہو سکتا ہے وہ بے عزت کر کے اٹھا ہی نہ دے۔ وہ ڈرتے ڈرتے ایک طرف ٹک گئی۔

"کسی خوش فہمی میں مت رہنا' تمہاری حالت پہ ترس کھا رہا ہوں۔" اس نے اس کی موجودگی محسوس کرتے ہی کہا تو وہ دانتوں سے نچلا ہونٹ کاٹنے لگی۔

کچھ دیر بعد سمیر کو اپنے پیچھے اک ہلکی سی سسکی سنائی دی' ایک پل کے لیے اس کے دل کو کچھ ہوا پھر وہ پکا سونا بن گیا۔ ادھر وہ حسرت سے اسے نرم بستر میں دبا ہوا دیکھتی رہی' خود اس کے اوپر صرف اپنا دوپٹہ تھا' پوری رات وہ کانپتی رہی۔

دوسری رات بھی اسی طرح گزری تھی' تیسری رات بھی اور پھر چوتھی رات بھی گزر جاتی جو اگر سمیر کو سردی کا احساس نہ ہو جاتا۔

"تمہیں رات کو سردی تو نہیں لگتی" وہ دوسری طرف منہ کیے کیے ہی بولا تھا۔

"جی۔" وہ اسی قدر کہہ سکی۔ اسے بتا کر نا بھی کیا تھا کون سا اس نے اس کا خیال رکھنا تھا' لیکن اسے اس وقت حیرت کا شدید جھٹکا لگا' جب اس نے اس کی طرف کروٹ لی۔

"تمہیں سردی نہیں لگتی؟" وہ بہت دوستانہ لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

وہ کیا جواب دیتی اس کا تو دل ہاتھوں پیروں میں دھڑکنے لگا تھا۔

"اگر تم یہاں لیٹی ہو' یہاں تم نے اپنی جگہ بنائی ہے پھر تمہیں کچھ اور بھی تو کرنا چاہیے تھا نا" وہ نہایت معصومیت سے اس سے بات کر رہا تھا۔

"ک... ک کیا؟" اس کے وجود کے ساتھ اس کی آواز بھی کانپ رہی تھی۔

وہ ہولے سے مسکرایا پھر آہستہ سے اسے تھوڑا سا اپنے قریب کیا اور پھر اس پہ بھی اپنی چادر اوڑھا دی۔ قریب ہوتے ہی دونوں کے دل ایک ساتھ دھڑکے تھے' دھڑکنوں کی رفتار تیز ہوئی تھی' دونوں کی سانسوں کی آواز شور مچانے لگی' تو سمیر نے انجانے جذبے کے تحت اسے اپنے بازو کے حلقے میں لے لیا۔ صرف ایک لمحے کی بات تھی پھر اسے چھوڑ کر کروٹ بدل لی' وہ اپنی اتھل پتھل ہوتی سانسوں کو قابو کرنے کی ناکام سی کوشش کرنے لگی تھی اور وہ اپنے انوکھے جذبات پر بند باندھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

لیکن اگلی رات وہ اپنے شوریدہ جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ باہر طوفانی بارش ہو رہی تھی' دروازے کھڑکیاں کھٹ کھٹ کرتے جیسے ٹوٹنے لگے تھے۔ تیز ہواؤں کی وجہ سے رات خوفناک لگ رہی تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے سے انجان بنے شاید اپنے آپ کو سنبھال رہے تھے۔

وہ چپ لیٹا' سوچوں میں کہیں دور نکلا' بے خیالی میں بجلی کے کڑکنے اور بادلوں کے گرجنے کی آواز سن رہا تھا۔

جبکہ وہ کروٹ دوسری طرف کیے ہمیشہ کی طرح خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی تھی' کل بھی وہ اکیلی تھی' آج بھی اکیلی تھی' فرق تھا تو صرف اتنا کہ کل کوئی اس کے پاس نہ تھا آج اس کے پاس صرف ایک ہاتھ کے

فاصلے پر اس کا بے مروت شوہر لیٹا تھا جسے اس کی کوئی پرواہ نہ تھی' تھا تو اس کا سائبان مگر صرف نام کا' نہ تو وہ اسے کوئی درجہ دینا چاہتا تھا اور نہ ہی اسے اہمیت' اسے اس سے صرف ہمدردی تھی' وہ ترس کھا کر اسے اپنے گھر لے آیا تھا' وہ رحم دل تھا۔ انسانی ہمدردی کے تحت اسے اپنے قریب جگہ دے دی تھی' یہ بات اسے ہمیشہ یاد رکھنی تھی' اس نے پہلے دن ہی یہ بات جتا دی تھی کہ اسے خوش فہمیوں میں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں' جبھی تو وہ خوش فہمیاں پالنے سے خوفزدہ تھی۔

تیز ہواؤں کی وجہ سے دروازے کھڑکیاں بج رہی تھیں ہوائیں نجانے کیسے اندر گھسی آ رہی تھیں' اس پہ شدید کپکپی طاری تھی' دل کہیں چھپ جانے کو چاہ رہا تھا' لیکن...... اس کے کندھے پہ سمیر نے اپنا بھاری ہاتھ رکھ دیا تو وہ چونک سی گئی' گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

''ارسہ' سردی لگ رہی ہے تو قریب آجاؤ۔'' نجانے کس رو میں آ کر وہ سرگوشی کے سے انداز میں بولا تھا' اس سے پہلے کہ وہ حیران یا پھر اس کی معنی خیز بات پہ پریشان ہوتی فضا میں گرج دار سماعتوں کو پھاڑ دینے والا دھماکہ ہوا تھا' وہ ڈر کر اک دم اس کے ساتھ لگی تھی۔ دوسری بار پھر دہشت ناک آواز ابھری تو وہ اس کے سینے میں چہرہ چھپا گئی۔

''یا اللہ کتنا مددگار ہے تو۔'' وہ ہولے سے مسکرایا اور اس کے گرد اپنے مضبوط بازوؤں کی گرفت کر دی۔

''تم قریب ہو اور میں پیاسا رہ جاؤں......'' اس کی سرگوشی صرف ارسہ کو ہی سنائی دی تھی' اس نے اپنا حق استعمال کر لیا' کیونکہ اس میں ارسہ کی بھی رضا مندی شامل تھی۔

اس نے اسے بطور بیوی تو قبول کر لیا تھا لیکن یہ بات اس پہ صاف لفظوں میں جتا دی تھی کہ وہ اس کی خواہش نہیں اور نہ ہی وہ اس سے محبت کر سکتا ہے' اسے جب بھی ''اپنی چاہ'' جیسی لڑکی ملی وہ دوسری شادی ضرور کرے گا اور وہ اس کو شادی کا تو بتا دے گا لیکن اجازت لینے کا وہ پابند نہیں' اماں کو بھی اس نے بتا دیا تھا' اماں تو باقاعدہ اس کی عقل پہ ماتم کرنے کے سے انداز میں سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی تھیں جبکہ وہ اپنی اہمیت کا تعین خود کر سکتی تھی سو خاموش رہی۔ جانتی تھی' اس کا وجود صرف ضرورت ہے محبت نہیں' یہ ہی شکر تھا کہ اس نے قبول تو کر لیا تھا' چاہے ضرورت کے تحت ہی۔ قبول تو کیا تھا نا اور چار مہینے ہو گئے تھے وہ اس کی ضرورت بن کر رہ گئی تھی' جب سے وہ اس گھر میں آئی تھی وہ اس کے کئی روپ دیکھ چکی تھی' لیکن یہ اب تک نہ سمجھ پائی تھی کہ اس کا اصلی روپ اصلی چہرہ کون سا ہے۔ کبھی اتنی اہمیت دیتا کہ اگلا بندہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کرتا اور کبھی اتنی بے اعتنائی برتتا کہ بندہ خود ہی اپنے آپ پر شرمندہ ہو جاتا۔

نہایت ہی جذباتی۔

اکھڑ مزاج' بہت سخت' کٹھور' سنگ دل' بہت سفاک و ظالم اصولوں کا پکا ایک قسم کا وحشی درندہ اور بہت ہی رحم دل' ہمدرد' بہت خیال رکھنے والا اور محبتوں کا خیال اور اس کی قدر کرنے والا بھی تھا۔

دوسرے لفظوں میں وہ سیاہ و سفید کا ایسا باب تھا جس کے دونوں چہرے نہ تو چھپے ہوئے تھے اور نہ ہی عیاں تھے' ایک قسم کا وہ نظر کا دھوکہ' یا پھر دل کا پیچیدہ وہم تھا' وہ ایسا بندہ تھا کہ جس کی پہچان صرف خود وہی جانتا تھا۔

ہر ڈیڑھ دو ماہ بعد وہ نوکری کو یوں لات مارتا جیسے اس سے بڑا کوئی بزنس مین دنیا میں نہ ہو' اپنے مزاج کے خلاف کوئی بات سننا اسے قطعی گوارہ نہ تھا۔ کبھی تو بڑے سے بڑے افسر کو بھی وہ خاطر میں نہ لاتا' ہر کسی سے اختلاف کرنا اس کی عادت بن چکی تھی۔ اب بھی اتنی مشکلوں سے نوکری ملی تھی اور وہ اپنے آفیسر سے مار دھاڑ کر کے اس سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا' اماں بہنیں تو اسے سمجھا سمجھا کر تھک چکی تھیں لیکن وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا پہلے کب کسی کی سنتا تھا جو اب کسی کے دباؤ میں آجاتا۔ ارسہ نے بھی چپ ہو جانا بہتر سمجھا' اگر بول بھی لیتی تو کون سا اس نے اس کے سامنے سر جھکا دینا تھا۔ الٹا وہ اسے بے عزتی ہی کر

دیتا۔

☼ ☼ ☼

اماں کل سے ثانیہ کے گھر گئی ہوئی تھیں، جی تو اس کا بھی چاہا تھا کہ ان کے ساتھ چلی جائے۔ لیکن سمیر کے ڈر سے اس نے اماں کو کہنا مناسب نہ سمجھا ورنہ اماں اسے ضرور ساتھ لے جاتیں۔

وہ دوپہر کا گیا ہوا تھا لیکن ابھی تک واپس نہیں لوٹا تھا وہ گھر میں اکیلی تھی، چاند نہ نکلنے کی وجہ سے سیاہ اندھیری رات اسے بہت خوفناک لگ رہی تھی، تنہائی کی وجہ سے ڈر بھی بہت لگ رہا تھا، شام تک تو وہ باہر ہی بیٹھی رہی لیکن اب گھور اندھیرے میں وہاں بیٹھے رہنا اسے ہولائے جا رہا تھا۔ وہ ٹائم گزارنے کے لیے برآمدے میں ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی، ڈرامہ کوئی خاص نہ تھا یا پھر آج اسے ہی خاص نہ لگ رہا تھا وہ چینل بدلنے لگی۔ نیند بھی آ رہی تھی اور ڈر بھی لگ رہا تھا۔

''نجانے کہاں رہ گئے ہیں۔'' وہ بے دلی سے اسکرین پر نظریں جمائے ہوئے تھی، جب کہ دل کانپے جا رہا تھا۔

''یا اللہ میں کیا کروں، اماں بھی گھر نہیں وہ بھی نجانے کدھر نکل گئے میں تو ڈر سے ہی مر جاؤں گی۔'' نیند سے آنکھیں بوجھل تھیں۔ ذہن بھی سویا سویا سا لگ رہا تھا، کبھی دائیں لڑھکتی کبھی بائیں پھر سیدھی ہو کر بیٹھ جاتی۔ برآمدے کے ستون کے ساتھ بیٹھ کر اس سے سر ٹکائے ہوئے تھی۔ بالآخر وہ وہیں سو گئی۔

اس کی واپسی رات بارہ، ساڑھے بارہ بجے ہوئی تھی، پہلے تو وہ دروازہ کھٹکھٹانے لگا پھر یہ سوچ کر کہ اماں اور ارسہ کی نیند خوامخواہ خراب ہو گی اس نے دروازہ کھٹکھٹانے سے اجتناب کیا اور دیوار پھلانگ کر اندر کود آیا۔ برآمدے کی ٹیوب لائٹ آن تھی اور وہ دیکھ سکتا تھا صحن میں پڑی چارپائیاں خالی تھیں۔ سامنے برآمدے میں ٹی وی آن تھا، اماں اور ارسہ نجانے کہاں تھیں، وہ کچھ سوچتا ہوا آگے بڑھ آیا۔

''اماں۔'' اس نے آہستہ سے آواز دی کوئی جواب موصول نہ ہوا تو وہ شش و پنج میں پڑ کر کچھ سوچنے لگا پھر یہ یاد آنے پہ کہ اماں تو کل سے گھر نہ تھیں اس نے بے اختیار سر پہ ہاتھ مارا اسے تو یاد بھی نہ رہا تھا کہ گھر میں وہ اکیلی ہے۔

''ارسہ، ارسہ۔'' وہ ارسہ کو پکارنے لگا، اماں نے اسے کتنی تاکید کی تھی کہ وہ اس کا خیال رکھے اور خود جلد واپس گھر آ جائے، کل تو وہ شام کو ہی واپس آ گیا تھا لیکن آج ارسلان (دوست) کے گھر ایسا بیٹھا کہ گھر آنے کی یاد بھی نہ رہی۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ اکیلے گھر میں وہ بے چاری ڈر رہی ہو گی۔

''ارسہ۔'' اس نے کچن میں جھانکا وہاں موجود نہ پا کر وہ تھوڑا سا پریشان ہو گیا وہ تو اس کی ایک آواز پہ ہی دوڑی چلی آتی تھی مگر اب نجانے وہ کدھر تھی، اس سے پہلے کہ وہ اسے کمروں میں ڈھونڈتا اس کی نظر ستون کے ساتھ گٹھڑی بنی ارسہ پہ پڑی تھی، اوہ۔۔۔۔ وہ شرمندہ سا ہو گیا شاید وہ ڈر کر یہیں بیٹھی رہ گئی تھی اور پھر اسے یہیں نیند آ گئی، اس نے ایک نظر ٹی وی پہ ڈالی کرکٹ کا میچ آ رہا تھا ٹیسٹ میچ تھا، ارسلان کے گھر وہ یہی میچ دیکھ رہا تھا۔ اس نے لمبی سی سانس لے کر ٹی وی آف کر دیا۔ پھر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''ارسہ۔'' اس نے دھیرے سے پکارا، سیاہ کاٹن کے سوٹ میں اس کی سفید رنگت دمک رہی تھی، دوپٹے سے بے نیاز وہ آڑی ترچھی لیٹی بہت معصوم لگ رہی تھی۔ گردن کے ساتھ لپٹے گیلے بالوں کی لٹیں اس کے حسین چہرے کو بالکل چاند بنا رہی تھیں، اس نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر اس کے دائیں گال کو چھوتی لٹ کو پیچھے ہٹایا اور غیر ارادی طور پر اس کے گال پر انگلی پھیرنے لگا، وہ تھوڑا سا کسمسائی اور پھر اپنے چہرے پہ کسی کا لمس محسوس کر کے ہڑبڑا کر سیدھی ہو کر اٹھ بیٹھی، اسے چند لمحے لگے ہوں گے مکمل بیدار ہونے میں، یا پھر یہ سمجھنے میں کہ اس کے قریب کون ہے۔

''آپ، آپ آ گئے؟'' اس نے فوراً ہاتھ پیچھے

کھینچا تھا نظریں چرا کر دائیں بائیں دیکھنے لگا۔
"یہاں کیوں سو گئی تھیں چلو بستر پہ جا کے لیٹو۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا وہ بھی دوپٹہ سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی دونوں ہاتھوں سے بال پیچھے کیے پھر اسے دیکھنے لگی۔
اس نے آگے بڑھ کر لائٹ آف کر دی' لائٹ آف ہوتے ہی پورے گھر میں مکمل اندھیرا چھا گیا وہ اسے دیکھتی رہی' وہ اپنے بیڈ کی طرف بڑھ گیا' جیب سے سگریٹ اور لائٹر نکال کر تکیے کے نیچے رکھے۔
"کھانا لاؤں'" وہ پیڈسٹل فین آن کر کے اس کے بیڈ کے ساتھ آ کھڑی ہوئی نیند سے آنکھیں بند ہو جا رہی تھیں۔
"نہیں رہنے دو' تم سو جاؤ۔" بھوک تو لگی ہوئی تھی مگر اس کی نیند کے خیال سے اس نے ہاں نہ کی پہلے ہی وہ اسے جگا چکا تھا اب مزید اس کی نیند خراب نہیں کرنا چاہتا تھا وہ خاموشی سے بیڈ پر آ گئی۔
"آپ دیر سے کیوں آئے ہیں' ڈر ڈر کر میری تو جان نکلی جا رہی تھی۔" نیند کو کہیں دور بھگا کر وہ اسے بتانے لگی۔
"تو کیا اب جان واپس آ گئی؟" وہ نجانے کس موڈ میں تھا۔ وہ چپ سی ہو گئی' وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔
"اب ڈر نہیں لگ رہا۔" وہ اس کی طرف کروٹ بدل کر کہنی ٹیڑھی کر کے ہاتھ پہ سر رکھ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ اب بھی چپ ہی رہی۔
"کیا ابھی بھی ڈر لگ رہا ہے۔" وہ پھر بولا۔
"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا اور پوری کوشش سے بوجھل ہوتی آنکھوں کو کھولا۔
"کیوں؟"
"آپ' آپ جو ہیں۔" وہ انگلیاں چٹخانے لگی تو اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے کلائی سے پکڑ کر اپنے قریب کر لیا۔
"کیا میرے ہوتے ہوئے تمہارا ڈر بھاگ جاتا ہے؟" وہ اس کی کلائی میں پڑی سیاہ چوڑیوں کو چھیڑنے لگا۔
"تم نے جواب نہیں دیا۔" اسے خاموش پا کر اس نے پھر سے پوچھا۔
"جی۔" وہ مختصراً" بولی' میٹھی نیند کے جھونکے آ رہے تھے۔
"کیوں؟" شاید کوئی خواہش جاگی تھی اسی لیے وہ بے مقصد باتیں کر کے اصل مقصد کی طرف آنا چاہ رہا تھا۔
"آپ آپ ہیں اسی لیے" وہ آنکھیں موندے ہوئے بولی تھی۔
"یعنی میرے ہوتے ہوئے تم اپنے آپ کو مضبوط سمجھتی ہو۔"
"اگر اماں ہوں تو پھر بھی مجھے ڈر نہیں لگتا' تب بھی میں اپنے کو مضبوط سمجھتی ہوں۔"
"اوہ۔" وہ ہنسا تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔
"میں نے اپنا پوچھا ہے' اماں کا نہیں۔" اس نے اس کی چوڑیاں کھنکنائیں۔
"جی۔" اس نے فوراً" کہا' نیند سے ویسے بھی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں' مجبوراً" وہ انہیں کھول رہی تھی۔ اتنا لمبا کہاں سے جواب دیتی۔
"کیا جی؟"
وہ چپ ہی رہی سخت نیند میں اسے جواب دینا بہت برا لگ رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا فٹ سو جائے اور وہ تھا کہ بات سے بات نکال رہا تھا۔
"میں نے کیا پوچھا ہے۔" بس اک ضرورت اس سے اتنی باتیں کروا رہی تھی ورنہ اس سے اتنی باتیں وہ کبھی کرتا بھی نہ تھا۔
"آپ اچھے ہیں' بہت اچھے' آپ......" اس نے بڑی سی جمائی لی تو اس نے اس کی کلائی چھوڑ دی وہ نجانے کس بات کا جواب دے رہی تھی۔
"جاؤ' سو جاؤ جا کر۔" اس کے کہتے ہی وہ فوراً" کروٹ بدل کر لیٹ گئی' وہ غصے سے اسے گھورتا رہ گیا۔
"جانتی بھی ہے کہ میں......" وہ غصے سے کروٹ بدل گیا۔ سونے کی کوشش کرتا رہا لیکن نیند کہیں دور ہی دور بھاگی جا رہی تھی۔

نفس کو قابو کرنا بہت مشکل کام ہوتا ہے' خواہش' طلب' ضرورت' سب مل کر اسے اکسانے لگیں وہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا' وہ نیند میں غرق' مست اس سے لاپرواہ بنی نجانے کس جہاں میں پہنچی ہوئی تھی۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر تکیے کے نیچے ہاتھ مارا اور سگریٹ نکال کر بیٹھ گیا۔ سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر لائٹر سے اسے آگ دکھائی۔ تین چار اسی طرح پھونکے تو دل کی آگ تھوڑی سی مدھم پڑ گئی' پھر وہ لیٹ گیا' کچھ تو افاقہ ہوا ہی تھا۔

"سمیر کچھ چاہیے؟" اس کی اچانک آنکھ کھلی تھی اسے سگریٹ پیتا دیکھ رہی تھی اس لیے بول پڑی' لیکن اس کے جاگنے اور پھر پوچھنے کا کوئی فائدہ نہ رہا تھا کیونکہ وہ اب سو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

موسم بہت خوشگوار تھا' سرد ہوائیں ماحول کو پراسرار بنائے ہوئے تھیں۔ بارش کا امکان ضرور تھا لیکن آسمان پر ابھی تک چند ہی بادل کے ٹکڑے تھے۔ وہ صبح ہی کہیں نکل گیا تھا۔ اس وقت اسے کوئی خاص کام نہ تھا اسی لیے وہ چائے بنا کر ثانیہ وغیرہ کے کمرے میں چلی گئی' اس نے ان کی الماری سے ایک رسالہ نکالا اور باہر سیڑھیوں پر آکر بیٹھ گئی۔

"ہیلو' اے' اے سنو۔" اس نے رسالے پر سے نظریں اٹھا کر دائیں بائیں دیکھا۔

آم کے درخت کے پیچھے سے اسے آواز آئی تھی وہ اٹھ کر رسالہ اور کپ وہیں سیڑھیوں پر چھوڑ کر بائیں جانب چلی آئی۔

"ارے عائشہ تم..... تم کب آئیں۔" وہ عائشہ کو دیوار پر چڑھے دیکھ کر ہلکے سے مسکرائی' عائشہ بھی جواباً مسکرائی' وہ تعلیم کے سلسلے میں اپنے گھر کم ہی رہتی تھی' اسلام آباد میں اس کے ماموں تھے جن کے گھر رہ رہی تھی' ارسہ کے ساتھ اس کی اچھی خاصی ہیلو ہائے تھی۔ بہت نٹ کھٹ' چنچل سی لڑکی تھی۔ ہنسنا ہنسانا اس کا مشغلہ تھا' بے فکر' لاپرواہ سی وہ لڑکی ارسہ کو بہت پسند تھی۔

"آنٹی کدھر ہیں؟" وہ دیوار سے ٹانگیں نیچے لٹکا کر بے فکری سے بیٹھ گئی اور گردن گھما گھما کر اس کے خاموش گھر کا جائزہ لینے لگی۔

"پہلے میری بات کا جواب دو۔"

"کون سی بات۔" اس نے بھنویں اچکائیں۔

"میں نے پوچھا ہے تم کب آئیں اور کیسی ہو؟" اس نے دوبارہ سے سوال دہرایا۔

"اوہ..... میں رات کو آئی تھی اور دوسرا سوال تم نے پہلے نہیں پوچھا تھا' یہ مزید کیوں اضافہ کیا ہے" وہ ٹانگیں دائیں بائیں جھلاتے ہوئے الٹا اسی سے پوچھنے لگی۔

"ارے بابا پہلے نہیں پوچھا تھا مگر اب تو پوچھ رہی ہوں نا۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

عائشہ بی بی نجانے کہاں کہاں سے باتیں نکال رہی تھیں کہ ختم ہونے کا نام تک نہ لے رہی تھیں۔ اس نے دو تین بار لمبی لمبی سانسیں خارج کیں' کانوں میں انگلیاں چلائیں' آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس چلتے ریڈیو کو دیکھا جو نہ تو سیل کا استعمال کرتا تھا اور نہ ہی بجلی کا پھر اک دم ریڈیو کا والیوم کم ہو گیا۔ کسی نے اسے پیچھے سے کھینچا تھا۔

"ہائے مر گئی میں....." وہ پیچھے گرتے گرتے بچی تھی۔

"میں نے تمہیں کدھر بھیجا تھا اور تم یہاں اسٹارٹ ہو چکی ہو۔"

"ارے امی....." دوسری جانب اس کی امی تھیں

"یہ بتاؤ میں نے تمہیں کس کام سے بھیجا تھا۔"

"اوہ یاد آیا۔" اس نے اپنے سر پر چپت رسید کی تو ارسہ کو ہنسی آ گئی جبکہ اس کی امی نے پیچھے سے اسے دو تھپڑ اور جڑ دیے تھے۔

"مار کیوں رہی ہیں بتا تو رہی ہوں نا۔" وہ پھر گرتے گرتے بچی۔

"اب کیا فائدہ فون تو بند ہو چکا ہے تو کر اپنی گفتگو' نالائق' بدتمیز۔" امی کے ڈانٹنے پہ وہ سر کھجانے لگی

تھی۔

"سوری یار یاد نہیں رہا تھا میں نے بھی آنٹی کا پوچھا پر تم نے مجھے اپنی باتوں میں لگالیا اور انکل کو شاید جلدی تھی اسی لیے فون بند کر دیا۔"

"انکل..... کون انکل؟" وہ حیران ہوئی۔

"وہی تمہارے سسر — ویسے تم ساس نندوں والا ڈرامہ دیکھتی ہو؟"

"میرے سسر.....؟" اس نے اس کی دوسری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

"ہاں تمہارے فادر ان لا جو کینیڈا میں مقیم ہیں۔"

"کیا.....؟" اسے کینیڈا میں مقیم کوئی اور بھی یاد آیا تھا۔

"ہاں بھئی انہی کی کال تھی آنٹی کو بلا رہے تھے پر اب تو دیر ہو گئی۔"

"اچھا....."

"کیا تمہیں نہیں پتہ کہ تمہارے سسر صاحب ہیں۔" اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑتے دیکھ کر وہ مشکوک ہوئی۔

"ہاں پتہ ہے، سمیر نے بتایا تھا۔" اس نے جھٹ بات بنائی ورنہ اسے کیا پتہ تھا کہ سمیر کا کوئی رشتہ دار کینیڈا میں ہوتا بھی ہے یا نہیں۔

"بیٹا وہ تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" عائشہ کی امی ایک بار پھر بولی تھیں۔ شاید فون پھر آیا تھا۔

"مجھ سے.....؟"

"ہاں بیٹا تم سے، جلدی آؤ۔" وہ جانا تو نہ چاہ رہی تھی پھر اس ڈر سے کہ کہیں سمیر بعد میں اسے برا بھلا نہ کہے وہ فون سننے چلی آئی، وہ انہیں جانتی کب تھی، عالیہ بیگم کو بھی اس نے شادی پہ پہلی بار دیکھا تھا اس سے پہلے وہ کسی سے واقف ہی نہ تھی۔ ابھی تک تو اس نے ہانیہ آپی اور عمیر بھائی کو بھی نہیں دیکھا تھا۔ صرف نام سے واقف تھی۔ لیکن وہ حیران تھی کہ عالیہ بیگم نے اپنے شوہر کے بارے میں اس سے ذکر کیوں نہیں کیا تھا۔

اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ علی محمد سے بات کی تھی وہ بہت محبت و شفقت سے اس سے بات کر رہے تھے۔ اسے بار بار شادی کی مبارکباد دے رہے تھے بار بار کبھی ثانیہ، ثنا، ہانیہ کا پوچھتے کبھی عمیر اور سمیر کا، وہ جوں جوں ان سے باتیں کر رہی تھی حیران ہی ہوتی جا رہی تھی۔ کیونکہ وہ اس سے کافی حیرانگی والے سوال کر رہے تھے۔ مثلاً

"سمیر کہاں جاب کر رہا ہے؟ عمیر آج کل کہاں رہ رہا ہے؟ ہانیہ کی بیٹی ٹھیک ہے؟ ثنا، ثانیہ کا کیا حال ہے؟ عالیہ بیگم غصہ کرتی ہیں یا اسی طرح سادگی سے زندگی بسر کر رہی ہیں؟" وہ تو ان کے سوالوں پہ ہی حیران رہ گئی تھی، سمجھ نہ سکی کہ وہ اس طرح کیوں پوچھ رہے ہیں حالانکہ وہ سب کے باپ اور عالیہ بیگم کے خاوند تھے پھر وہ اس طرح جوش خروش اور خوشی خوشی اتنے سارے سوال کیوں پوچھ رہے تھے کبھی کبھی وہ اتنے جوش سے سوال پوچھتے پوچھتے اک دم سے افسردہ ہو جاتے۔ ان کی آواز میں نمی سی گھل جاتی، ان کے لہجے کا اتار چڑھاؤ اس سے چھپا نہ رہ سکا، لیکن وہ ان سے اتنی بے تکلف نہ تھی کہ فٹ سے ان سے کوئی ایسی ویسی بات دریافت کر لیتی۔ لیکن کوئی بات ایسی تھی جو دل میں بار بار کھٹک رہی تھی۔ لیکن وہ زبان پر نہ لا رہی تھی۔

"دراصل بیٹا پورے نو ماہ بعد گھر بات کر رہا ہوں نا اس لیے سب ایک دفعہ ہی پوچھ لینا چاہتا ہوں۔" وہ اس کی خاموشی بھانپ کر ذرا سا مسکرائے تھے۔

"علی محمد۔" نام تو اس کا جانا پہچانا تھا اور شاید وہ "یقینی پہچان" چاہتی تھی۔

"اور ہاں بیٹا عالیہ کو بتا دینا میں نے ڈرافٹ بھیج دیا ہے، انہیں جلد ہی مل جائے گا اور میرا سب کو سلام کہنا اور ہاں اگر ہو سکے تو....." وہ ذرا سے رکے تو وہ ٹھٹھک سی گئی۔

"سمیر کو بھی دے دینا" اس بار وہ کھلکھلائے تھے جبکہ وہ ماؤتھ پیس کو گھورتی رہ گئی۔

"جانے کیسی الجھی شخصیت ہیں یہ بھی۔" وہ گھر واپس آتے ہوئے سوچ رہی تھی گھر میں داخل ہوتے

ہی اس کی نظر سامنے سیڑھیوں پر پڑی تھی' وہ وہاں بیٹھا اسی رسالے کی ورق گردانی کر رہا تھا جو کچھ دیر قبل وہ یہیں رکھ کر گئی تھی۔

"کہاں گئی تھیں؟" اسے اپنے قریب آتا دیکھ کر وہ ترش لہجے میں بولا تھا پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا' وائٹ کلف لگے کپڑے ہوا کے زور سے پھڑپھڑائے تھے۔

"ادھر آسیہ آنٹی کے ہاں۔" اس کے سلکی بال بھی اڑنے لگے تھے۔ وہ ایک ہاتھ سے اڑتی لٹوں کو کانوں کے پیچھے اڑسنے کی کوشش کرنے لگی' سرخ کپڑوں کا ہم رنگ دوپٹہ بھی شوخ ہوا جا رہا تھا وہ کبھی دوپٹے کو سنبھالتی کبھی اڑتے بالوں کو' اس کے جواب پہ وہ چپ سا ہو گیا۔

"لگتا ہے آج بارش ہو گی۔" وہ اس کے سرخ کپڑوں میں کھلتی رنگت کو ایک نظر دیکھ کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہو گی نہیں بلکہ ہو گئی ہے۔" اس کے ماتھے پہ بارش کی پہلی ہلکی سی بوند پڑی تھی' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"اوہ ....!" وہ اس کی معصوم ادا پر ہلکے سے مسکرایا۔

چائے کی طلب محسوس ہو رہی تھی وہ اس کے ہوشربا حسن سے نگاہیں چرا کر اپنا مدعا بیان کرنے لگا۔ بارش کے قطرے جیسے جیسے اس کے اوپر گر رہے تھے وہ اس کے ہوش اڑائے جا رہی تھی' سرخ کاٹن کے کپڑے' اڑتا دوپٹہ' ہوا میں جھولتے بال' سرخ و سفید رنگت' سفید سفید نرم' نازک کلائیاں اور ان پہ سجی سرخ چوڑیاں' اس کے علاوہ اس کا بھیگتا وجود..... اسے تو وہ قیامت ہی لگ رہی تھی وہ جلد از جلد یہاں سے دور ہو جانا چاہتا تھا' ٹھیک ہے وہ ایک دوبارہ بہکاوے میں آ گیا تھا لیکن اب وہ بہکنا نہیں چاہتا تھا یا پھر وہ مزید اپنے آپ کو اس کے سامنے زیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ فیصلہ اس نے رات ہی کو کیا تھا۔ اسی لیے وہ بار بار اس کے سراپے سے نگاہیں چرا رہا تھا لیکن یہ اس کے لیے اتنا آسان بھی نہیں تھا۔

"آپ اندر چلیں میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وہ خالی کپ اور رسالہ سیڑھیوں سے اٹھاتی ہوئی کچن کی جانب بڑھ گئی پیچھے وہ اس کی پشت پہ جھولتی لمبی سیاہ چوٹی کو دیکھتا رہ گیا۔

"حسن تو ماشاءاللہ غضب کا ہے۔" ہر بار کی طرح اب بھی دل ہی دل میں اس نے اعتراف کیا تھا۔

جب وہ چائے لے کر آئی تو وہ کمرے کے وسط میں کھڑا تھا پہلے تو وہ ذرا سا ٹھٹکی پھر نارمل سی ہو کر اسے چائے پکڑانے لگی جبکہ وہ اسے گھورے جا رہا تھا' چائے پکڑنے کے لیے اس نے ہاتھ نہ بڑھایا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"آسیہ آنٹی کے گھر کس کا فون سننے گئی تھیں؟" اس کے سخت لہجے نے اسے ڈرا سا دیا۔

"آپ کے ابو کا تھا وہ....."

"کس کی اجازت سے؟" اس نے ترشی سے اس کی بات کاٹی۔

"آپ.... آپ گھر پر نہ تھے تو....."

"تو تم ان سے باتیں کرنے چل دیں۔" اس کی آواز پہلے سے بھی زیادہ تیز تھی وہ خوفزدہ سی ہو گئی۔

"کبھی میں نے تم سے کہا ہے کہ ان سے بات کرنا؟"

"وہ آسیہ آنٹی نے کہا تھا کہ اگر اماں گھر پہ نہیں ہیں تو میں بات کر لوں۔"

"کس حیثیت سے؟" وہ اک دم چپ سی ہو گئی' اس نے تو اپنی طرف سے بھلا ہی سوچا تھا کہ ہو سکتا ہے میرے بات نہ کرنے پر سمیر ناراض ہو جائے' اسی لیے وہ چلی گئی تھی اور اب وہ یوں غصہ ہو رہا تھا جیسے اس نے کوئی گناہ کبیرہ کر دیا ہو۔

"حیثیت بتا سکتی ہو اپنی؟" اس کے لہجے کی سختی سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بہت غصے میں ہے۔ وہ چپ ہی رہی جواب دے کر وہ اسے اور بھڑکانا نہ چاہتی تھی۔

"میں نے کیا پوچھا ہے؟" وہ چائے کا کپ میز پر رکھ کر واپس پلٹنے ہی لگی تھی کہ اس کے گرجنے پر وہ اک دم سے رک سی گئی۔ نظریں اٹھا کر ایک پل کے لیے

اسے دیکھا پھر دھیمی آواز میں جیسے غرائی۔
"بیوی ہوں میں آپ کی اور جن سے بات کی ہے وہ سسر ہیں میرے۔"
"اوہ بیوی....." وہ استہزائیہ ہنسا لیکن آنکھوں میں شدید غصے کی لہریں ابھی بھی موجزن تھیں اس نے سختی سے اس کی کلائی تھام لی۔
"وہ سسر پہلے تھے یا پھر اب ہیں۔" شاید وہ غصے کی انتہا پر تھا۔
"سمیر۔" وہ چیخ اٹھی "کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟" اس کا پورا وجود کانپا تھا لیکن وہ ضبط کر گئی۔ وہ ایک بار پھر مسکرا دیا۔
"خود کو میری بیوی کہتی ہو حالانکہ میں نے تمہیں ابھی دل سے بیوی قبول نہیں کیا۔" وہ ایک بار پھر چپ سی ہو گئی یہی مقام تھا جو اسے اپنی نظروں میں ہی گرا دیتا تھا۔ اس نے اس کی کلائی کو ذرا سا دبایا۔
" بہرحال" وہ پھر سے سنجیدہ ہوا۔ "آج تو میں تمہیں معاف کرتا ہوں کیونکہ تم جانتی نہیں ہو، لیکن آئندہ اگر میری اجازت کے بغیر تم نے ان سے بات کی تو..... تو پھر تمہارے حق میں بہتر نہ ہو گا کیونکہ وہ میرے باپ نہیں ہیں" اس نے گرفت ذرا اور سخت کی۔
"لیکن وہ تو کہتے ہیں کہ....." اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے لیکن درد کی وجہ سے بلبلا کر رہ گئی۔
"کہنے سے کیا ہوتا ہے، خیر آئندہ تم یاد رکھنا نہ تو وہ میرے باپ ہیں اور نہ ہی تمہارے سسر۔" وہ ایک دم سے نارمل ہوا تھا۔ اس کی کلائی کو جھٹکا دے کر اک دم سے چھوڑ دی۔
"اور ہاں ایک اور بات" اس نے میز پر سے چائے کا کپ اٹھایا اور لبوں سے لگا کر ایک گھونٹ بھرا۔
"آئندہ میرے سامنے اس لہجے میں بات مت کرنا کیونکہ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تم میرے سامنے اس طرح کرو۔" نارمل تو وہ ہو گیا تھا لیکن اس کے لہجے میں اشتعال اب بھی تھا۔ وہ من میں کئی سوال لیے چپ چاپ باہر نکل آئی، بارش تیز ہو چکی تھی۔ آم کا درخت ہوا کے سنگ جھوم رہا تھا صحن میں لگے چھوٹے چھوٹے پودے بھی نہانے اور نکھرنے میں مشغول تھے وہ برآمدے کے پلر کے ساتھ ٹیک لگا کر برستی بارش کو دیکھنے لگی۔ کچھ دیر بعد اسے محسوس ہوا اس کی آنکھوں سے بھی بارش رواں ہو چکی ہے۔
"سمیر علی مجھے کب تک یہ یاد دلاتے رہو گے کہ میں صرف رحم اور ہمدردی کی وجہ سے یہاں ہوں؟ مجھے کب بھولنے دو گے یہ بات کہ صرف ترس کی بنا پر تم مجھے یہاں لائے ہو؟" آنکھوں سے برستی بارش ذرا اور تیز ہو گئی تھی۔
"جانتی ہوں میں تمہاری نظر تمہارے دل میں میری کوئی حیثیت نہیں تمہاری نظر میں میرے لیے ہمدردی ہے۔ تمہارے دل میں میرے لیے رحم ہے' ترس ہے۔ لیکن تم کوئی حیثیت بنانے دو تو میں بناؤں نا۔" وہ ٹکٹکی باندھے چھوٹی چھوٹی بوندوں کو دیکھے جا رہی تھی۔ لیکن اس کی آنکھوں سے بہتی بوندیں دیکھنے کے لیے کوئی نہ تھا۔

کون سمجھے ان برستی بوندوں کو
کبھی ساون کبھی بھادوں میں
یوں جھڑی لگتی ہے
جیسے نیلے فلک کو سبز زمین کو تر کرنے کا
بہت احساس ہو
جیسے نیلے آکاش کو سبز دھرتی کا بہت خیال ہو
لیکن کون جانے ان برستی بوندوں کو
کسی کو تر کرنے میں ہی کتنے دلوں کو
دکھی کر جاتی ہیں

اس نے اک سسکی سی لی پھر ہاتھ بڑھا کر اپنے گالوں پہ گرتی بوندوں کو چننے لگی۔
"سمیر علی تم کیا جانو ظلم مجھ پہ پہلے ہوتا تھا یا اب ہو رہا ہے۔" بعد میں اسے خود پر قابو نہ رہا تو وہ وہیں بیٹھ کر زار و قطار رونے لگی۔ وہ باہر آیا تو اسے سامنے برآمدے میں اپنی طرف پشت کیے بیٹھے دیکھا۔
"اوہ تو بارش کا نظارہ ہو رہا ہے۔" وہ آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے مڑ گیا۔

✲ ✲ ✲

پوری رات بارش ہوتی رہی تھی اگلی صبح بہت نکھری نکھری اور خوشگوار سی تھی، وہ ابھی تک سو رہا تھا، اس نے جھاڑو اٹھا کر صحن میں بکھرے تمام پتے تنکے اور کاغذ وغیرہ اکٹھے کیے آم کی اک ٹوٹی شاخ کو کھینچ کر اس سے علیحدہ کیا نیچے گرے سبز، پیلے آموں کو ٹوکری میں ڈالا اور انہیں کچن میں رکھ آئی، وہ جاگا تو وہ اس کے لیے ناشتا تیار کرنے لگی۔ وہ نہا کر کچن میں ہی آ گیا۔

"شکر ہے تھوڑی گرمی تو ختم ہوئی۔" وہ بیٹھتے ہی بولا اس نے خاموشی سے اس کے سامنے ناشتہ رکھا اور خود باہر چلی آئی۔

موتیا کے کئی پودے کیاریوں سے باہر پڑے تھے کئی پھول ہوا کے زور پر دائیں بائیں بکھرے تھے، کئی چھوٹی چھوٹی ڈالیاں ٹوٹتے ٹوٹتے بچی تھیں، وہ جھاڑو سے ایک بار پھر کیاریوں کے کنارے صاف کرنے لگی، موتیا کی بیلوں کو ایک بار پھر باندھ کر دیوار کے ساتھ چپکا دیا، پودوں کو بھی سیدھا کیا جو شاخیں ٹوٹنے والی تھیں انہیں دھاگے سے باندھ دیا۔ نیلا افق بہت دلکش لگ رہا تھا نکھرا نکھرا صاف موسم اسے ہمیشہ سے پسند تھا، خاص کر جب بھی وہ خالہ کے گھر جاتی اسی طرح کے موسم کے لیے دعا کرتی اور اگر رب تعالیٰ کرم کر دیتا تو وہ دل کھول اس موسم کو انجوائے کرتی تھی۔

روشین، نوشین، افشین اور چھوٹی خالہ کی دعا سب ہی اس موسم میں خوب دھما چوکڑی مچاتی تھیں ساتھ فہد اور اسعد بھی شامل ہو جاتے تھے البتہ **عمیر** جو گھر میں سب سے بڑا بچہ تھا ان کو ہر وقت سرزنش کرتا رہتا تھا، روشین اور نوشین کی شادی ہو چکی تھی جو خالہ نے بڑی تگ و دو کے ساتھ دو سال قبل ہی کی تھی، خالو بچارے ہر وقت بیمار رہتے تو **عمیر** نے تعلیم ادھوری چھوڑ دی اور بڑی دقتوں سے ایک پرائیویٹ فرم میں جاب حاصل کر لی بعد میں وہ بڑی محنتوں کے بعد کینیڈا چلا گیا، خالہ اور خالو نے اسے کتنا روکا تھا لیکن اس کی صرف ایک ہی رٹ تھی کہ وہ افشین، دعا، فہد اور اسعد کا مستقبل تباہ نہیں کرنا چاہتا صرف وہ انہی کے لیے جائے گا۔ یہ سچ ہی تھا کہ اسے سب چھوٹوں کے مستقبل کی بہت فکر تھی۔

"آپ خود کون سے بڑے ہیں۔" وہ اکثر ان سے کہتی تھی۔

"بڑا تو ہوں یہ اور بات کہ صرف تمہیں نظر نہیں آتا، چلو خیر کبھی تو نظر آئے گا۔" وہ ہمیشہ شرارت سے اسے کہتے تھے جواباً" وہ انہیں خفگی سے دیکھتی تو وہ کان پکڑ لیتے۔

وہ کتنا اصرار کرتے تھے کہ وہ بھی چچا کے گھر رہنے کی بجائے ادھر ہی رہے لیکن وہ ان کی سفید پوشی سے واقف تھی انہیں مزید تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی اسی لیے ہر بار انکار کر دیتی۔ خالہ جانتی تھیں کہ وہ کیوں انکار کرتی ہے چاہتی تو وہ بھی تھیں کہ وہ ان کے ساتھ ہی رہے لیکن وہ اپنی غریبی دیکھ کر منہ سی لیتیں۔ پہلے ہی وہ چھوٹی بہن کی بیٹی دعا اور اسعد کو پال رہی تھیں، بے شک فائز علی (خالو) منہ سے کبھی کچھ کہتے نہ تھے لیکن وقت آنے پہ ان کے ماتھے پہ شکنیں ابھر سکتی تھیں اور وہ اسی وقت سے ڈرتی تھیں، وہ اس سے بھی واقف تھیں کہ چچا کے گھرانے کا رویہ اس سے کوئی خاص بہتر نہ تھا لیکن اس کی طرح انہوں نے بھی منہ کو سی اور آنکھوں کو بند کر لیا تھا، انہوں نے سب قسمت پر چھوڑ دیا تھا اور قسمت کے کھیل عجب نرالے ہی ہوتے ہیں، آج کہاں نجانے کل کہاں جو بات وہم و گمان میں نہیں ہوتی وہی بات ہو جاتی ہے اور انسان حیران ہوتا ہے کہ ایسا تو ہم نے کبھی سوچا بھی نہ تھا تبھی تو اسے قسمت کہتے ہیں۔

اس نے آسمان سے نظریں ہٹا کر پیلے اور سرخ گلابوں پہ بیٹھی شہد کی مکھیوں کو دیکھا تھا پھر لمبا سا سانس لے کر باقی کے کام نمٹانے لگی۔

☼ ☼ ☼

اماں آ گئی تھیں ان کے ساتھ دو بچے ایک لڑکی اور ایک لڑکا بھی تھا۔ پوچھنے پہ پتہ چلا کہ وہ **عمیر** بھائی ان کی بیوی شگفتہ اور ان کے ریان اور اذلان بیٹے ہیں، وہ

سب اس سے بہت محبت سے ملے تھے۔ جواباً اس نے بھی گرم جوشی دکھائی۔
البتہ سمیر ان سے اکھڑے اکھڑے انداز سے ہی ملا تھا، نہ بچوں کو پیار کیا اور نہ ہی عمیر کے گلے لگ کر ملا، بس ان سے مصافحہ کیا اور چلتا بنا، بھابھی نے زبردستی ہی اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر اس کے بالوں کو چھیڑ دیا تھا۔ اس نے بعد میں دیکھا تھا وہ ریان اور ازلان سے بہت پیار سے کھیل رہا تھا۔
"نجانے کیا معاملہ ہے ان باپ بیٹوں میں۔" وہ الجھ کر رہ گئی پھر رات کو اس نے اماں سے پوچھ ہی لیا۔
"بات تو کوئی نہیں ہے پر سمیر کسی کی مانتا نہیں خوامخواہ بگڑتا ہے۔"
"لیکن اماں کوئی تو ایسی بات ہوگی جس کی وجہ سے سمیر ایسا کرتے ہیں۔" وہ ان کے بازو دبا رہی تھی، انہوں نے ایک نظر اسے محبت سے دیکھا پھر مسکرا دیں۔
"تیرا ساتھ تو کسی نصیب والے کو ملنا چاہیے تھا پر کیا کریں جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اسی لیے تو ایک ناقدرے کی زندگی میں آ گئی۔"
"اماں چھوڑیں اس بات کو، سمیر جیسے ہیں ٹھیک ہیں، آپ مجھے ان کے پیچیدہ رویے کے بارے میں بتائیں۔" اس نے فوراً اماں کو کچھ اور کہنے سے روکا تھا وہ محبت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں اس سے پہلے کہ وہ کوئی بات بتاتیں سمیر دروازے پر دستک دے کر اندر چلا آیا۔
"اماں یہ صاحب آج یہاں کیا لینے آئے ہیں؟" اس نے کھڑے کھڑے ہی پوچھا تھا۔
"تمہیں کیا تکلیف ہے یہ اس کا بھی گھر ہے۔" اماں نے فوراً کہا تھا۔
"یہ گھر نہ تو اس کا ہی اور نہ ہی اس کے باپ کا یہ صرف ہمارا گھر ہے ہمارا۔" زور زور سے بولا تھا اماں افسوس سے اسے دیکھنے لگیں۔
"نجانے تمہارے دماغ میں کون سا بھوسہ بھرا ہوا ہے چل ادھر بتاؤ کیوں غصہ آ رہا ہے تمہیں۔" اماں نے اسے کھینچ کر اپنے قریب بٹھا لیا۔ وہ چپ چاپ ان دونوں کو دیکھ اور سن رہی تھی۔
"کیا بتاؤں صرف اتنا کہنا ہے کہ......"
"کہ وہ یہاں نہ آیا کرے یہ صرف سمیر کا گھر ہے۔ اسے برا لگتا ہے اس کا یہاں آنا کسی دن دھکے دے کر نکال دے گا ہے نا؟" انہوں نے ترشی سے اس کی بات کاٹی تو اس کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ رینگ گئی۔
"جب سب کچھ جانتی ہیں تو کہتی کیوں نہیں۔"
"کیا کوئی ماں اپنے بیٹے کو اس طرح کہہ سکتی ہے؟"
"بیٹا...... ہونہہ" اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔ ارسہ غور سے اسے دیکھنے لگی۔
"ہونہہ، شونہہ مت کرو" اماں تڑخ کر بولی تھیں۔
"اچھا جی اگر وہ آپ کا بیٹا ہے تو پھر میں کون ہوں؟"
اماں اس کی بات پہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائیں پھر خاموش ہو کر اس کے چہرے کے بدلتے زاویے دیکھنے لگیں۔
"نفرت ہے مجھے ان لوگوں سے یہ ہمارا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ کبھی ایک آجاتا ہے کبھی دوسرا، صرف یہ دکھانے کے لیے کہ ہماری کوئی حیثیت ہی نہیں، ہم ان کے ٹکڑوں پہ پلنے والے ہیں، لیکن اماں آپ انہیں بتا دیں سمیر وہ پہلے والا ڈرپوک اور بزدل نہیں ہے۔ اب یہ منہ توڑ کے جواب دینے والا بن چکا ہے۔" وہ اک دم سے بھڑک اٹھا تھا، ارسہ تو اس کے غصے سے پہلے ہی خائف رہتی تھی اب مزید ڈر گئی۔
"اور ان کا وہ باپ علی محمد صاحب اپنے آپ کو ......"
"تمیز سے نام لو وہ تمہارا ابھی باپ ہے۔" اماں نے اسے پھر سے ٹوکا تو اس نے سر جھٹک دیا۔ ارسہ اس کے غصے سے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھے گئی تو اس نے آنکھیں بند کر لیں۔
وہ آنکھیں بند کر کے اپنا غصہ کنٹرول کرنے کی کوشش کرنے لگا لبوں کو اس نے سختی سے بھینچ لیا تھا، ارسہ جانتی تھی وہ جلد ہی اپنا غصہ قابو میں کر لے گا پھر ایسا ہی ہوا وہ لمبی سی سانس لے کر جب بولا تو سوائے

لہجے کے اس کے چہرے پہ اور کہیں بھی کڑواہٹ کا نام نہ تھا۔ صرف لہجہ تھا جو بہت سخت اور کڑوا تھا۔
"جب میں نے ان سب کو اپنی زندگی سے نکال دیا ہے تو انہیں بھی چاہیے مجھے میری مرضی سے جینے دیں، مجھے بار بار تنگ نہ کریں، کیونکہ اب میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔"
"خون کے رشتے کو کون جھٹلا سکتا ہے بیٹا، کوئی بھائی اپنے بھائی سے کوئی بیٹا اپنے باپ سے انکاری ہو سکتا ہے؟"
"نہیں ہو سکتا تو مجھے اس سے کیا میں صرف یہ جانتا ہوں کہ نہ تو میرا کوئی باپ ہے اور نہ بھائی، میری صرف دو بہنیں ہیں اور ایک ماں، اس کے سوا میں کچھ نہیں جانتا اگر ان لوگوں نے ہمارا اب بھی پیچھا نہ چھوڑا تو جان لیں میں کچھ کر گزروں گا۔" وہ سخت مشتعل ہو رہا تھا اس سے ٹکر لے کر اسے قائل کرنا آسان نہ تھا پتھر اور سمیر میں کوئی فرق نہ تھا، الٹا اپنا ہی دماغ خالی ہوتا۔ یہ اماں جانتی تھیں اس لیے خاموش ہو گئیں، جانتی تھیں وہ اب دھمکیوں پہ اتر آئے گا، اس سے کوئی بعید نہ تھا کہ وہ ابھی جا کر عمیر سے لڑ پڑتا، پہلے بھی کئی دفعہ وہ اس سے بدتمیزی کر چکا تھا حالانکہ وہ اس سے بڑا تھا اور اب اماں مزید بدمزگی نہیں چاہتی تھیں چپ کر کے اس کی دھمکیاں، اس کا غصہ اس کا اشتعال سنتی رہیں، وہ جتنا بولنا چاہتا تھا اسے بولنے دیا، خود خاموشی سے سنتی رہیں اور وہ حیرت سے کبھی سمیر کو اور کبھی اماں کو دیکھ رہی تھی۔
"بس کر سمیر بس کر اور کتنا خون جلائے گا۔ تو ہی ہے جو دل میں کینہ بغض رکھے ہوئے ہے، ان بے چاروں نے گنوایا کیا ہے تمہارا، وہ ماں ہے تمہاری، باپ ہے تمہارا، نہ بھائی کا ادب نہ بہن کا لحاظ، اپنی طرف سے ہی دشمنی مول لی ہے۔" اماں بے چاری کیسے اسے سمجھاتیں ان کو تو سمجھانا بھی نہ آرہا تھا بلکہ پوری زندگی ہی وہ اسے سمجھا نہ سکی تھیں۔
"نہیں وہ میرے کچھ لگتے۔ جنہوں نے پوری زندگی ہمیں محرومیوں میں رکھا، ہم میں فرق رکھا، ہمیں اپنے جیسا نہ سمجھا، وہ میرے کچھ بھی نہیں لگتے اور آپ کے بھی کچھ نہیں ہیں۔" اس کی زبان زہر اگل رہی تھی اماں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر تاسف سے سہلانے لگیں۔
"نجانے تو کس پہ چلا گیا۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھیں۔
"اور ہاں اماں...." اسے کچھ اور یاد آگیا۔ "اس لینڈ لارڈ سے تیری اس بہو نے مجھ سے اجازت لیے بغیر فون پہ بات کی تھی، خدا جانے اس وقت یہ میرے ہاتھوں سے کیسے بچ گئی۔ اب اسے سمجھا دیں اگر اب یہ میری حکم عدولی کرے گی تو اس کی موت لازم ہے، اسے اچھی طرح سمجھا دیں۔" وہ اس کی طرف رخ کر کے اسے گھورنے لگا تو سر جھکا گئی۔ اب جانے اماں کیا کہیں گی، نیکی گلے پڑ گئی۔ وہ شرمندہ سی ہو گئی۔
وہ اٹھ کر چلا گیا تو اس سے سر نہ اٹھایا گیا وہ اماں سے بھی سخت شرمندہ تھی۔
"اماں مجھے آسیہ آنٹی نے کہا تو میں چلی گئی بھلا مجھے کیا پتہ تھا کہ آپ ان سے ناراض ہیں۔" اس نے خود ہی صفائی پیش کرنی چاہی جبکہ اماں اس کے اور قریب ہو گئیں۔
"چل چھوڑ اس کی باتوں کو، یہ بتا انہوں نے کیا کہا؟ وہ تم سے بات کر کے خوش تھے؟ انہوں نے سمیر کا پوچھا اور کیا کہہ رہے تھے؟" ان کے پرجوش انداز پہ اس کی شرمندگی اڑنچھو ہو گئی وہ حیرانگی سے انہیں دیکھنے لگی۔
"اے تیرا میاں ہی ہے پٹھے کاموں والا (الٹے کاموں والا) چل تو یہ بتا....." انہوں نے خوشی خوشی اس سے سب کچھ پوچھا تھا۔ اس نے بھی انہیں ایک ایک بات بتا دی۔
"آئندہ بھی اگر تو اپنے سسر سے بات کرے نا تو سمیر کو بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ایویں بکھیڑا ڈالے گا۔" آخر میں انہوں نے کہا تھا وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔
"نہیں اماں اگر سمیر کو یہ سب برا لگتا ہے تو مجھے ان

کی بات ماننی چاہیے۔"

"اچھا تو تم بھی اپنے میاں کی طرف ہو۔" اماں نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔

"وہ میرے شوہر ہیں اماں' ان کی ہر بات ماننا میرا فرض ہے۔" اس کے کہنے پہ اماں نے اسے ساتھ لپٹا لیا۔

"مجھے فخر ہے تم پر بیٹا' کاش سمیر بھی تمہاری طرح ہوتا۔"

"اماں وہ اچھے ہیں لیکن خود کو ثابت نہیں کرتے۔"

"چل ہٹ' بڑی آئی اس کی حمایت کرنے والی۔" انہوں نے ایک بار پھر اسے مصنوعی ناراضگی دکھائی۔

"اماں آپ مجھ سے بہتر جانتی ہیں انہیں۔" اس نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"جانتی تو ہوں۔" وہ مسکرائیں "چل اب تو جا' کہیں وہ اب پھر نہ خفا ہو جائے۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی' پیروں میں چپلیں پھنسا کر باہر نکل آئی۔ پیچھے اماں صدق دل سے ان دونوں کے لیے دعا کرنے لگی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو وہ آنکھوں پر بازو رکھے چت لیٹا تھا۔ صحن میں عمیر وغیرہ سو رہے تھے اسی لیے وہ ان کی ضد میں اندر سو رہا تھا' وہ ہمیشہ ہی ایسا کرتا تھا' جہاں وہ بیٹھتے وہ اٹھ کھڑا ہوتا' جہاں وہ کھڑے ہوتے وہ جگہ چھوڑ دیتا' ایک طرح سے جہاں وہ ہوتے وہ وہاں نہ پایا جاتا' اب بھی وہ انہی کی ضد میں اندر سو رہا تھا' شکر تھا کہ اتنی گرمی نہ تھی' مسلسل بارشوں نے فضا میں خنکی پیدا کر دی تھی' پنکھے بند ہونے کی وجہ سے بھی اندر اچھی خاصی خنکی پھیلی ہوئی تھی۔

اس نے دونوں پنکھے آن کر کے دروازہ بند کیا پھر اپنے بستر پر چلی آئی۔

"آ گئیں؟" اس نے بازو ہٹا کر اسے دیکھا۔

"جی! لائٹ آف کر دوں؟"

"رہنے دو۔" اس کے کہنے پہ وہ چپ چاپ لیٹ گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے خود ہی اٹھ کر لائٹ آف کر دی پھر کھڑکی کھول کر باہر جھانکنے لگا باہر گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا' ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں اپنے زور پر تھیں' وہ جان سکتی تھی کہ وہ اس وقت کسی گہری سوچ میں تھا' کوئی دس منٹ کے بعد وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا پھر وہ کھڑکی بند کرتا گہری سی سانس لیتا واپس آ کر لیٹ گیا۔

"سمیر پریشان ہیں آپ۔" اندھیرے میں اس کی مدھم سی آواز ابھری تھی اس نے سن تو لیا لیکن جواب کوئی نہ دیا۔ وہ کچھ دیر جواب کا انتظار کرتی رہی پھر ہولے سے اس کے کندھے کو چھوا۔

"سوری سمیر میں نے آپ کو پریشان کیا' قسم سے میں نہیں جانتی تھی کہ انکل سے آپ کے تعلقات نہیں ہیں' میں یہ سوچ کر چلی گئی تھی کہ کہیں بعد میں آپ ناراض نہ ہو جائیں' یہ تو مجھے پتہ ہی نہ تھا کہ آپ کو یہ بات بری لگے گی۔" وہ سخت شرمندگی سے بول رہی تھی' وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

"میری تو کوئی غلطی نہیں مجھے اماں نے یا پھر آپ نے کچھ بتایا تو نہیں تھا نا۔" وہ پھر آہستہ سے بولی تھی۔

"تبھی تو تمہیں میں نے کچھ کہا نہیں ہے۔" اس کے کہنے پہ وہ چپ سی ہو گئی۔

"جانتی ہو ارسہ ان لوگوں سے مجھے کیوں نفرت ہے۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا کوئی اپنا راز کھولنے لگا تھا وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"میرے باپ نے دو شادیاں کر رکھی ہیں۔" اس نے اپنی طرف سے گویا دھماکہ کیا تھا لیکن ارسہ ان دونوں ماں بیٹے کی باتوں سے یہ راز پہلے ہی جان چکی تھی۔ اس لیے وہ اتنی حیران نہ ہوئی۔

"زیب النساء میرے باپ کی پہلی بیوی ہیں نہایت جھگڑالو قسم کی عورت ہیں' میری ماں سے ابو نے محبت کی شادی کی تھی' ابو کے پہلے بھی دو بچے تھے' وہ میری اماں کو اسی گھر لے گئے تھے جہاں پہلے ہی ان کی ایک بیوی تھی۔" وہ ہولے ہولے بول رہا تھا۔

"وہ ہر وقت اماں سے لڑتی جھگڑتی رہتی تھیں' اماں کو طعنے تشنے دیتی تھیں' پھر اماں کی بھی تین اولادیں ہو گئیں۔" اس کی آواز اتنی مدھم تھی کہ وہ بامشکل سن رہی تھی۔ ثانیہ' ثنا اور میں' میرے آنے سے بڑی اماں کو بہت دکھ ہوا تھا' وہ کچھ دن بیمار پڑ گئی تھیں' میری اماں کو اس نازک حالت میں مجبوراً گھر کا سارا کام کرنا پڑتا تھا اور وہ مزے سے سارا دن سوتی رہتیں' اماں مجھ پہ اتنی توجہ نہ دیتی تھیں اس لیے میں بیمار پڑ گیا' بڑی اماں ابو کو دکھانے کے خاطر مجھے اپنے پاس سلا لیتیں' میں سارا سارا دن روتا رہتا لیکن بڑی اماں کو مجھ پر ترس نہ آتا وہ میری اماں کو میرے پاس ذرا سی دیر کو بھی نہ آنے دیتیں' میرے خیال میں تو وہ مجھے رلاتی بھی وہ ہی تھیں' انہیں مزہ آتا ہو گا نا میرے رونے سے آخر سوکن کی اولاد بلکہ بیٹا تھا' حسد اور جلن تو انہیں تھی نا' ارسہ کو اس کی اس "دکھی" بات سے ہنسی تو بہت آئی لیکن وہ ضبط کر گئی۔ کیا پتہ وہ سچ ہی نہ کہہ رہا ہو اور پھر سے اس کے پتھریلے چہرے کو دیکھنے لگی۔

"عمیر بھائی مجھ سے صرف چھ سال بڑے تھے' لیکن گھر میں ہر بات انہی کی مانی جاتی' جو وہ کہتے وہی ہوتا' جو میں کہتا فٹ اس سے انکار کر دیا جاتا۔" اب کی بار اس کا لہجہ بہت سخت اور کڑوا سہی مگر ٹوٹا پھوٹا ضرور تھا۔

"روز کھانا ان کی پسند کا بنتا' تمام کپڑے ان کی پسند کے بنتے' جس کھلونے کی طرف اشارہ کرتے وہ ان کا ہو جاتا اکثر ان کی نظر میرے کھلونوں پہ ہی ٹھہرتی تھی اور پھر میری اماں' ابا کے ڈر سے مجھ سے وہ کھلونے چھین کر انہیں دے دیتیں' جس اسکول میں ان کا جی چاہتا وہاں انہیں داخل کرا دیا جاتا' میں اپنی من پسند چیزوں کو ترستا رہ جاتا اور وہ مجھ سے پہلے ہی لے لیتے' جس اسکول میں' میں پڑھنا چاہتا وہ ضد کر کے وہاں سے میرا داخلہ رکوا دیتے' مجھے اپنے ساتھ گھسیٹتے رہتے۔ روزانہ گھر آ کر ابو سے میری جھوٹی شکایتیں کرتے' پھر ابو کو بڑی اماں بھی خوب بڑھاتی تھیں' وہ ہر روز اپنے جوتے سے میری مرمت کرتے' میں چیختا چلاتا تو اماں مجھے چھڑانے کو آگے بڑھ آتیں ساتھ ابو انہیں بھی دھر لیتے۔ پھر مجھے کم اور اماں کو زیادہ مارتے۔" اک دم سے اس کا لہجہ رندھ سا گیا۔

"تم نہیں جانتیں ارسہ ان سب نے ہم پر کتنا ظلم کیا ہے۔ ہانیہ باجی تھوڑی بہت اچھی تھیں' ابو سے مجھے چھڑا لیتیں' لیکن بڑی اماں اور **عمیر** بھائی بہت برے تھے جب ابو مجھے مارتے تو وہ خوش ہوتے' مجھ پہ ہنستے تھے اور **عمیر** بھائی تو باقاعدہ میرے ساتھ رو کر میری نقلیں اتارتے تھے۔ مجھے ان پہ بہت غصہ آتا تھا۔ میں سوائے گالیوں کے انہیں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا' میں انہیں خوب برا بھلا کہتا' اماں کو روتے ہوئے چپ کراتا تھا' ثانیہ' ثنا نجانے بڑی اماں کے ڈر سے کہاں چھپی ہوتی تھیں۔ بعد میں جب میں اسکول سے **عمیر** بھائی کی شکایتیں لے کر آتا تو ابو انہیں مارنے کی بجائے الٹا مجھ پہ چڑھ دوڑتے کہ میں جھوٹ بولتا ہوں' ان کے بارے میں کہانیاں گھڑتا ہوں مجھے پتہ تھا وہ مجھ سے محبت نہیں کرتے۔" وہ بہت دکھ سے کہہ رہا تھا اس کی آواز میں نمی سی گھل گئی تھی' وہ تھوڑی سی دیر کے لیے رکا تو ارسہ کو لگا وہ بہت ٹوٹا بکھرا شخص ہے۔ بالکل اسی کی طرح اس نے اپنی زندگی محرومیوں میں گنوائی ہے' بالکل اس کی طرح وہ ہمیشہ ٹوٹتا رہا ہے یعنی فرق تو دونوں میں ہی نہ تھا۔ دونوں ہی ہمیشہ ٹوٹتے رہے تھے' بکھرتے رہے تھے اگر اس نے بڑی اماں کی زیادتیاں سہی تھیں تو اس نے چچی سے یہی سب کچھ پایا تھا۔ اگر ابو اسے برا بھلا کہتے تو اس کے چچا کا سلوک اس کے ساتھ یہی تھا۔ جو رویہ **عمیر** اور ہانیہ کا اس کے ساتھ تھا ویسا ہی رویہ چچا کی اولاد کا وہ سہتی رہی تھی' دونوں نے ہی بہت مشکلوں میں اپنی زندگی گزاری تھی' دونوں نے ہی بہت سختیاں جھیلی تھیں' بہت زیادتیاں سہی تھیں۔ بہت ظلم ہوا تھا دونوں پر بے دردی' ناانصافی' سفاکی' ظلم سب کچھ ہوا تھا ان کے ساتھ' دونوں میں فرق تو کوئی نہ تھا۔

"پھر مجھے بھی سب سے نفرت ہوتی چلی گئی ابو' **عمیر** بڑی اماں اور ہانیہ باجی سب ہی سے میں نفرت

کرنے لگا۔ میں اور عمیر بھائی دونوں ایک ہی کالج میں پڑھتے تھے وہ مجھ سے سینئر تھے' کالج میں ایک لڑکی سے انہیں محبت ہو گئی وہ لڑکی کسی بات پر ان سے ناراض ہو گئی اس کا رویہ بہت خراب تھا اس سے زیادہ اس کی باتیں وہ عمیر سے میری برائیاں کر رہی تھی میں نے سنا تو غصہ سے بھڑ گیا اس کے ساتھ اس کا کزن بھی تھا۔ میں نے دیکھا بھائی بار بار ان سے سوری کر رہے تھے مجھ سے ان کی یہ حالت دیکھی نہ گئی تو میں لڑکی کے کزن پر جھپٹ پڑا' اب کی بار اس کی آنکھوں میں جو چمک ابھری تھی وہ ارسہ سے چھپی نہ رہ سکی۔

"اور پھر میں نے اس کا سر پھاڑ دیا۔"

"سر پھاڑ دیا؟" اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"ہاں' لیکن پھر۔" وہ ایک بار پھر افسردہ سا ہو گیا۔

"بھائی نے گھر آ کر مجھے خود بھی مارا اور ابو سے بھی پٹائی کروائی۔" اس نے لمبی سی سانس لی اور تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گیا۔

"پانی ہے؟"

"جی۔" وہ جلدی جلدی سائیڈ ٹیبل پر ہاتھ مار کر گلاس اٹھانے لگی تھی کہ گلاس نیچے گر کر کرچی کرچی ہو گیا۔ وہ ہنس دیا۔

"اب اگر یہ باہر آواز گئی تو بھائی سمجھیں گے میں ان کا غصہ گلاسوں پر نکال رہا ہوں۔" اس نے اٹھ کر لائٹ آن کی اور دوسرا گلاس تلاش کر کے پانی پینے لگا' وہ چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔ اس نے پانی کا گلاس بھر کر اس کو بھی پکڑا دیا۔

"پھر پتہ ہے کیا ہوا انہوں نے اس لڑکی سے شادی کی ہامی بھر لی' اب کی بار میں نے اس شادی کے خلاف خوب شور کیا کیونکہ وہ لڑکی مجھ سے دو تین بار بد تمیزی کر چکی تھی۔ میں اس کالج سے ہی نکل گیا شادی کی تاریخ رکھ دی گئی اور تب میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس گھر میں ہم نہیں رہ سکتے' وہاں ہمارے لیے بالکل بھی جگہ نہ تھی' نہ تو گھر میں اور نہ ہی ابو کے دل میں' ابو اور عمیر بھائی سے میری بات نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ پھر میں نے لڑ جھگڑ کر یہ گھر لے لیا۔ ہم یہاں تو چلے آئے لیکن ان لوگوں نے ہمارا پیچھا نہ چھوڑا۔" وہ پھر سے لائٹ آف کر کے اپنی جگہ پر بیٹھ چکا تھا۔

"اماں اور بہنیں نجانے کس مٹی کی بنی ہوئی ہیں انہیں دیکھ کر یوں کھل جاتی ہیں جیسے وہ ان کے بہت سگے ہوں' خیر میں نے ان کو ان سے تعلقات رکھنے سے نہیں روکا لیکن میں نے خود ان سے ہر تعلق ہر رشتہ توڑ لیا ہے۔ میں نہ عمیر بھائی کی شادی پر گیا تھا اور نہ ہی ہانیہ باجی کی رخصتی پر۔" وہ اپنے سر کے نیچے دایاں ہاتھ رکھ کر سیدھا لیٹ گیا۔ وہ اسی طرح بیٹھی ہوئی اسے دیکھتی رہی۔ پھر اک دم سے ہولے سے بولی۔

"نفرتوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا سمیر' شدید نفرتیں بندے کو چاٹ لیتی ہیں' دل میں کدورتیں اور سوچوں میں اختلافات آ جائیں تو بندہ اندر ہی اندر ختم ہو جاتا ہے' تن اور من اسی وقت چھلنی ہوتا ہے جب محبتوں کی جگہ نفرتوں کو حاصل ہو جاتی ہے' جب قربتوں کی بجائے کدورتیں دل میں سما جائیں نا تو اپنی جان کا دشمن بننے میں دو پل بھی نہیں لگتے' سارا گھاٹا اپنا ہی ہوتا ہے کسی دوسرے کا کچھ نہیں بگڑتا۔ نفرت ..... شدید نفرت ..... شدید ترین نفرت یہ تینوں مقام ہی سخت سے سخت ہوتے ہیں ان مقامات تک پہنچنے والا بندہ کسی کا نہیں اپنا جانی دشمن ہوتا ہے۔" وہ بہت ہلکی آواز میں اس سے مخاطب تھی۔

"نفرت بندے کو پہلے صرف گرفت میں رکھتی ہے شدید نفرت اندر ہی اندر جکڑ لیتی ہے اور سمجھ نہیں آنے دیتی۔ اور شدید ترین نفرت نہ صرف گرفت مضبوط کر کے اندر کو جکڑتی ہے بلکہ اپنے تمام پنجوں کو اندر تک گاڑھ کر پورے وجود کو قابو میں کر لیتی ہے اور جب پورا وجود ہی نفرتوں کی زد میں ہو تو پھر جینے کا کوئی جواز ہی نہیں ہوتا' جب محبت کا کوئی ہلکا سا جھونکا بھی اندر نہ جا سکے تو وجود میں گڑھے پنجے پورے وجود کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتے ہیں' پھر خون ہی خون ہوتا ہے محبتوں کا خون' نفرتوں کا خون' تبھی تو کہتے ہیں' ایک پل کی محبت بھی مردہ دل کو جگانے کا سبب بن سکتی ہے۔ اسی

لیے انسان کو چاہیے وہ اس ایک پل کی ــــ آس ضرور رکھے کیا پتہ مردہ کو اسی ایک پل کا انتظار ہو۔"

"لیکن میرا دل مردہ نہیں ہے۔" وہ جلدی سے بولا۔ "مجھے ان سب سے صرف نفرت تھی وہ بھی شاید میں ان سے نفرت کرنے کے لیے دل کو خود آمادہ کرتا تھا ورنہ میرے دل نے اس "اوپری نفرت" کو ہمیشہ جھٹلایا تھا۔ میں جتنا چاہتا کہ ان سے نفرت شدید ہو میرا دل اتنی ہی بغاوت کرتا تبھی تو وہ نفرت شدید اور شدید ترین نفرت میں نہیں بدلی لیکن میں یہ چاہتا ضرور تھا کہ میں، میرا دل، میرا وجود سب ان لوگوں سے نفرت کریں لیکن" وہ ہلکا سا ہنسا۔" اماں صحیح کہتی ہیں اپنوں سے جتنی نفرت کرو وہ اصل نفرت نہیں ہوتی۔ ظاہری نفرت کا بس اک روپ ہوتی ہے۔"

"تو کیا آپ......"

"اوہ ہوں، میرے لیے یہ بات غلط ہے اور سراسر غلط ہے۔ میرے دل کو چاہے نہ سہی لیکن مجھے اپنے باپ اور ان کے اہل خانہ کی کوئی چاہ نہیں، بہرحال جو بھی ہے جانے دو، تمہیں میں وارن کررہا ہوں ان کے ناز نخرے اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں یہ لوگ صرف مطلبی ہیں، مطلب نکالنا انہیں خوب آتا ہے۔ تم ان سے ذرا دور ہی رہنا۔" اس نے صاف لفظوں میں اسے تنبیہہ کی تھی۔

وہ کیا جواب دیتی صرف "جی" کہا اور دراز ہوگئی، کچھ دیر بعد اسے اپنے اوپر سمیر کا بازو نظر آیا وہ اس کے گرد اپنی گرفت مضبوط کررہا تھا۔ نہ کوئی میٹھی سرگوشی، نہ خوب صورت لہجہ، نہ کوئی شوخ جملہ، نہ کوئی پیارا لفظ، صرف حق و فرض، ضرورت اور بس۔

"مطلبی اور مطلب پرست لوگ کیسے ہوتے ہیں سمیر تم کیا جانو۔ تم تو خود ہی اس لسٹ کا اہم حصہ ہو۔" اس نے اپنا چہرہ اس کے چوڑے سینے میں دبایا تھا محبت سے نہیں، خوف سے، کیونکہ وہ اس کے وحشیانہ سلوک سے واقف تھی۔

عمیر بھائی دو دن رہنے کے بعد واپس چلے گئے تھے۔ ثانیہ کی پریگنینسی قریب تھی۔ اس کی ساس آئے روز بیمار رہتی تھیں۔ اسی لیے عاصم (ثانیہ کے شوہر) نے فون کرکے اماں کو کچھ دنوں کے لیے بلالیا تھا اور اماں نے ہمیشہ کی طرح دونوں کو خوب تاکید کی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ ایک بار پھر جاب کی تلاش میں مصروف ہوگیا لیکن جدھر بھی جاتا گھر آکر اپنا سارا غصہ اس پر نکال دیتا وہ کچھ دیر روتی، کہیں منہ چھپا کر بیٹھ جاتی، اسے کہنا کیا تھا بس اس کی زیادتی پہ منہ سی لیتی۔ اب تو وہ جیسے ہی گھر میں قدم رکھتا وہ ادھر ادھر ہوجاتی، چھوٹی سی چھوٹی بات پہ بھی وہ یوں مشتعل ہوکر اس پہ گرجتا جیسے وہ اسے لایا صرف اسی کام کے لیے ہو۔ بعد میں وہ اپنی غلطی ہی ڈھونڈتی رہ جاتی لیکن کوئی غلطی ہوتی تو اسے نظر آتی نا۔ بڑی تگ و دو کے بعد ایک جاب اسے مل ہی گئی، لیکن اس کا غصہ ہروقت ناک پہ ہی دھرا رہتا۔

اب بھی وہ اپنے کمرے میں نجانے کیا ڈھونڈ رہا تھا، اندر سے چیزیں پھینکنے کی آوازیں آرہی تھیں، وہ کچن میں سہمی بیٹھی تھی اندر جانے کی اس میں جرات ہی پیدا نہ ہورہی تھی۔

"ارسہ، ارسہ" تھوڑی دیر بعد اس کی دھاڑتی ہوئی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی اس کا دل زور سے دھڑک اٹھا، اس کو لگا اس کی تمام ہمت جواب دے گئی ہے، ایک بار پھر وہ چلایا تھا اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام ہوگئی پیروں میں جان ہی نہ رہی تھی۔

"ارسہ۔" وہ پوری قوت سے چلایا تو وہ تمام ہمت مجتمع کرکے اٹھی ابھی دروازے تک ہی پہنچی تھی کہ وہ فوں فاں کرتا باہر نکلا سرخ نگاہوں سے اسے گھورا اور پھر اس کی نازک کلائی کو اپنی آہنی انگلیوں میں جکڑ لیا، وہ لڑکھڑائی تو ابھی سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ اس نے دھکا کر اسے اندر گھسیٹ لیا سامنے ہی میز رکھی تھی اس کا پیر بہت زور سے میز سے ٹکرایا وہ تکلیف سے دوہری ہوگئی۔

"بتاؤ میں کس زبان میں تمہیں آواز دیا کروں، بتاؤ

مجھے" وہ چیخا تھا اور جھٹکے سے اسے پکڑ کر سیدھا کیا۔

"یہ..... یہ کیا ہو گیا۔" وہ اس کا مڑا ہوا پیر دیکھ کر صرف ایک پل کے لیے خاموش ہوا تھا پھر اس کا بازو چھوڑ کر پھر سے کچھ تلاش کرنے لگا۔ اس نے اتنے زور سے الماری کا پٹ بند کیا کہ وہ پھر سے کانپ کر رہ گئی۔

"یوں بہانے کر کے کب تک بیٹھی رہو گی اٹھو کوئی چیز لگا لو کہیں سوج نہ جائے۔" وہ اپنی مطلوبہ چیز لے کر باہر نکلتے ہوئے دھاڑا تھا' اس کے باہر نکلتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی' اسے چوٹ کا درد نہ تھا بلکہ درد تو اپنے کالے نصیب کا تھا اس نصیب کا درد جس درد سے وہ ہمیشہ بچنے کی دعائیں کرتی تھی' جس درد کو ہمیشہ اس نے جھٹلایا تھا' جس درد سے وہ دور بھاگنا چاہتی تھی مگر بھاگ نہ پائی تھی۔

"اگر یہ میری زندگی ہے تو اس سے پہلے کیا تھی' اس زندگی میں اور اس زندگی میں فرق کیا آیا ہے' پہلے کی زندگی میں عذاب میری زندگی کا حصہ تھے لیکن اب وہ عذاب میری زندگی کا باقاعدہ حصہ بنائے جا رہے ہیں' پہلے کچھ آس امیدیں تو تھیں لیکن اب وہ بھی ختم ہو گئیں' شاید زندگی کو صرف میرے ہی امتحان درکار ہیں اب میں ان امتحانوں میں کہاں تک چلوں نہ زندگی کو مجھ پہ ترس آتا ہے اور نہ قسمت کو رحم' اور جس کو مجھ پہ رحم' ترس آیا تھا اس نے مجھے ضرورت بنا لیا ہاں میرا وجود ضرورت ہی تو ہے' جو چاہتا ہے مجھے اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ ہر ایک کے لیے میں ضرورت ہی تو ہوں۔" وہ اور دکھی دل سے سوچتے ہوئے گھٹنوں میں چہرہ چھپا کر ایک بار پھر رو پڑی تھی۔

ثانیہ کے گھر بچی ہوئی تھی ابھی تک وہ ہاسپٹل میں ہی تھی۔ اماں کو ابھی کچھ دن وہیں رہنا تھا۔ یہ سب اسے سمیر نے ہی بتایا تھا۔ اس نے بھی ہاسپٹل جانا چاہا تھا لیکن اس سے کہہ نہ پائی' وہ بھی بے حسی کی انتہا پر تھا نہ اسے لے کر گیا اور نہ ہی اسے لے جانے کے لیے کہا وہ تو اچھا ہوا ثنا آ گئی اور بھائی سے اجازت لے کر اسے بھی ساتھ لے گئی۔ یہ اور بات کہ وہ اس پہ خوب بگڑا تھا بعد میں کہ وہ اس سے جانے کے لیے نہیں کہہ سکتی تھی۔ وہ جو اول دونوں میں تھوڑی بہت خوش ہوئی تھی کہ اب زندگی دشواریوں سے نکل آئی ہے۔ اب پھر سے مرجھا سی گئی۔

پچھلے دنوں خالہ نجانے کہاں سے بھٹکتی ہوئی ادھر کو آ نکلیں اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئیں اس نے انہیں کافی حد تک مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بھی دودھ پیتی بچی نہ تھیں کہ اس کی آنکھوں کے گرد پڑے سیاہ حلقے' اس کی پھیکی پڑتی رنگت اس کے سوجے ہوئے پیر سے کچھ جان نہ سکتیں۔

"خالہ پاؤں پھسل گیا تھا' سیڑھیوں سے گر گئی تھی' سر میں درد ہوتا ہے اس لیے رات کو سو نہیں سکتی" اس طرح کے نجانے اور کتنے اس نے بہانے بنا کر انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا اور وہ پتا نہیں مطمئن ہوئی تھیں یا نہیں۔

گھر کے کام ہی کتنے تھے وہ صبح ہی صبح فارغ ہو جاتی' اگر سمیر گھر ہوتا تو سارا دن اسے دوڑنے بھاگنے میں لگتا اور اگر نہ ہوتا تو وہ ہر کام منٹوں میں کر لیتی۔ اب بھی سارے کاموں سے فارغ ہو کر پھر نماز پڑھنے کی تیاری کرنے لگی۔ وہ عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو پودوں کو پانی دینے لگی پانی دینے کے بعد وہ بے مقصد ہی صحن میں ٹہلنے لگی تھی' پھر چائے کا موڈ نہ ہوتے ہوئے بھی اس نے چائے بنا لی لیکن بعد میں پینے کو جی نہ چاہا' جی بھاری ہو رہا تھا۔ اسے کچھ دنوں سے کچھ عجیب عجیب سا لگ رہا تھا' لیکن اس نے اتنا غور نہ کیا۔ اب ابکائی سی آئی تو وہ ابکائی پہ ابکائی کرتی چلی گئی۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ پانی گرنے لگا۔ آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو چکی تھیں' وہ منہ صاف کر کے تھک کر بیٹھ سی گئی۔ دل اب بھی بہت خراب ہو رہا تھا' اس نے دونوں ہاتھوں سے بال پیچھے کیے آنکھوں کو صاف کیا اور برآمدے میں آ کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگی' باہر کی ٹھنڈی ہوا اندر گئی تو اس کی حالت تھوڑی سی سنبھل گئی۔

"صبح ڈاکٹر کو دکھا لینا مجھے تو لگ رہا ہے تمہیں سخت بخار ہے۔" رات کو اس کی گری گری حالت دیکھ کر اس نے اسے مفت مشورے سے نوازا تھا۔ وہ بتا

جواب دیے اس کے لیے چائے بنانے چلی گئی، جب واپس آئی تو وہ ابھی تک کھانا کھا رہا تھا۔
"تم کھانا کھا چکی ہو؟"
"بھوک نہیں ہے۔" وہ مختصر جواب دیتی چائے میز پر رکھ کر پلٹنے لگی تھی کہ فوراً" اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کا ہاتھ پکڑتے ہی اسے جیسے کرنٹ سا لگا تھا۔
"تمہیں بہت سخت بخار ہے، کوئی ٹیبلٹ وغیرہ لی۔"
"جی۔"
"جھوٹ مت بولو اگر لی ہوتی تو اتنا سخت بخار نہ ہوتا۔"
جواباً" اسے کچھ کہنا بہت مشکل لگا تھا سو وہ خاموش ہی رہی۔
"چلو شاباش تم لیٹو میں تمہیں ٹیبلٹ دیتا ہوں۔" وہ کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے بھی صرف بستر کی ضرورت تھی تھکی تھکی سی لیٹ گئی کچھ دیر بعد وہ ٹرے میں کھانا رکھے آیا تھا۔
"پہلے کچھ کھالو۔" اس نے انکار کرنا چاہا تھا پھر اس کا اصرار دیکھ کر اس نے دو تین نوالے لے ہی لیے، وہ اس کے لیے دودھ گرم کر کے لے آیا تھا۔ پھر اسے اپنے ہاتھوں سے دوا کھلانے لگا۔
"یا اللہ کیسا شخص ہے یہ مارتا بھی ہے تو نرمی کے ساتھ۔" وہ سوچتی رہ گئی تھی جبکہ وہ اپنی ٹھنڈی چائے واپس رکھ آیا تھا۔ اس نے واپس آکر اس پہ چادر ڈال دی۔
"تو کیا اسے میرا خیال ہے۔" اس خیال نے اسے اندر ہی اندر خوش سا کر دیا تھا۔ وہ اپنا تپتا جسم بھول کر خوش فہمیوں میں گھر سی گئی۔
"ہو سکتا ہے وہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگا ہو۔"
اس احساس سے اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا بالکل اول روز کی طرح، وہ اپنی ہی نظروں میں معتبر سی ہو گئی تھی، چاہے جانے کا احساس کتنا خوب صورت ہوتا ہے، یہ وہ اب سمجھ رہی تھی۔ وہ اپنے آپ کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا وہ دنیا کی پہلی لڑکی ہے جسے کوئی چاہنے لگا ہے۔ اس کے دل میں گہرا سکون اترنے لگا تھا۔ اسے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی پھر اسے محسوس ہوا وہ اس کے قریب بیٹھ چکا ہے۔
پھر اس کا دل دھڑکنا بھول گیا جب اس نے اپنی پیشانی پہ اس کا بھاری اور مضبوط ہاتھ محسوس کیا، وہ ہولے ہولے اس کی پیشانی دبانے لگا تھا۔ اور وہ محبت کی پرواز میں نجانے کتنی بلندیاں چھو آئی تھی وہ یہ پل طویل ہو جانے کی دعا دل ہی دل میں مانگنے لگی تھی۔ وہ یہ پل، یہ گھڑیاں، یہ ساعتیں یہیں روک لینا چاہتی تھی۔ اگر اس سے کوئی اس پل پوچھ لیتا کہ اسے بیس سالوں میں کب جینا آیا؟ اسے کب لگا کہ وہ زندہ ہے؟ تو وہ فوراً" سے پیشتر ان لمحوں کا نام لیتی اسے حقیقی معنوں میں زندگی اب ہی "زندگی" لگی تھی اسے لگ رہا تھا وہ آج اتنی خوش ہے اتنی خوش ہے کہ بیس سال میں بھی اسے اتنی خوشی نہ ملی تھی، وہ آج سے پہلے اتنی خوش کبھی نہ ہوئی تھی۔ اس کا دل، اس کی آنکھیں، اس کے لب اس کا انگ انگ اس کے جسم کا ہر عضو، اور اس کے وجود کا ہر حصہ خوشی میں مست ہنس رہا تھا، مسکرا رہا تھا، اپنے آپ کو معتبر سمجھ رہا تھا۔ بیس سالوں میں آج پہلی بار کسی کو اس کا خیال آیا تھا۔ کسی نے اس کے ساتھ محبت بھرا رویہ روا رکھا تھا۔ آج پہلی بار کوئی اس کا محبت سے خیال رکھ رہا تھا وہ ہولے ہولے اب بھی اس کی پیشانی کو دباتا اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ رہا تھا۔ اور وہ آنکھیں موندے اس کی محبت کو محسوس کر رہی تھی۔
"ارسہ جانتی ہو مجھے غریب لوگوں سے زیادہ بیمار لوگوں سے ہمدردی ہے۔ بیمار لوگوں پہ مجھے بہت رحم آتا ہے۔ وہ کتنے بے بس ہوتے ہیں اس وقت کہ ......" وہ ہواؤں میں اڑتی اک دم دھڑام سے نیچے گری تھی۔ وہ جو محبت کی بلندی تک پہنچ آئی تھی اک دم سے پیچھے پلٹی اور منہ کے بل نیچے گری، اس کے جسم کا ہر حصہ جو پہلے محبت کی مست و میٹھی لے پہ ہولے ہولے دھڑک رہا تھا اب یک لخت رک سا گیا۔ اس کا

دل اس کی آنکھیں، اس کی دھڑکنیں، بے یقینی کی کیفیت میں اپنی شکست و ریخت کو دیکھنے لگیں۔ اس کی دھڑکنیں اک دم سے رک سی گئیں۔

"کیا ہوا؟" وہ بات کرتے کرتے چونکا تھا۔ وہ بنا کچھ کہے چند لمحے اسے شکستگی کے عالم میں دیکھتی رہی، ایک آنسو خاموشی سے پلکوں کی باڑھ توڑ کر گالوں پہ لڑھک آیا، پھر سسکیوں کو روکنا اس کے لیے محال ہو گیا۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ مضبوطی سے منہ پہ جمایا اور کروٹ بدل کر تکیے میں چہرہ دبا لیا، اس کا ہچکولے کھاتا جسم وہ دیر تک دیکھتا رہ گیا، پھر وہ اٹھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

جو خوشی اسے اب ملی تھی اس کا مقابلہ کسی کے ساتھ نہ تھا، ڈاکٹر رضیہ اقبال نے بہت انوکھی بات ہی تو اسے بتادی تھی، اس کے قدم زمین پہ ٹک ہی نہ رہے تھے۔ وہ تتلی بنی صبح سے پورے صحن میں گھوم پھر رہی تھی۔ اسے اپنے کانوں پہ یقین ہی نہ آرہا تھا لیکن جب یقین آیا تھا تو یہ یقین ہر یقین پہ بھاری تھا۔

☼ ☼ ☼

دروازے پہ کسی نے دستک دی تھی۔ وہ سمجھی سمیر ہو گا فوراً لپک کر دروازہ کھولا تھا اور دروازہ کھولتے ہی وہ ساکت ہو گئی۔

گیٹ کھولنے پہ اسے جیسے سکتہ سا ہو گیا تھا۔

"آپ؟" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

"کیوں میں نہیں ہو سکتا۔" وہ ذرا سا مسکرایا تھا۔

"اندر نہیں بلاؤ گی؟"

"لیکن عمیر آپ آئے کب؟"

"کیا واپس چلا جاؤں۔" وہ جانے کے لیے مڑنے لگا۔

"عمیر میرا یہ مطلب تو نہیں تھا آپ آئیں اندر ...." اس نے اسے اندر آنے کا رستہ دیا۔ وہ اندر چلا آیا۔ پھر دائیں بائیں نظریں گھما کر گھر کا جائزہ لینے لگا۔

"اور کوئی نہیں گھر میں؟"

"نہیں .... آپ اندر آئیں نا۔" وہ اسے لے کر چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔

"اب آپ بتائیں میری یاد کیسے آگئی آپ کو۔" وہ اس کے سامنے ہمیشہ ہی چہکتی تھی اب بھی اسے بہت خوشی ہو رہی تھی اس کے آنے کی۔

"ارے یاد کیسے نہ آتی تم ہی تو اصل یاد ہو۔"

"اچھا جی مہینہ ہو گیا ہو گا آپ کو آئے ہوئے اور مجھ سے ملنے آپ آرہے ہیں۔" اس نے شوخی سے کہا۔

"ارے، ارے، جھگڑا مت شروع کرو کل شام کو پہنچا ہوں اور تم سے ملنے ابھی چلا آیا۔" اس نے اپنی عادت کے مطابق اس کے سامنے کانوں کو ہاتھ لگایا تو ہنسی کا فوارہ اس کے منہ سے چھوٹ گیا۔

"واللہ، آپ ابھی تک اس عادت کو بھولے نہیں؟"

"تم کو بھولا ہوں جو یہ عادت بھول جاتا۔" اس نے برجستہ جواب دیا تو ایک لمحے کے لیے دونوں چپ کے چپ رہ گئے، اس نے بے ساختہ نگاہیں چرائی تھیں۔ جبکہ اس کی آنکھوں میں اک حسرت نے سر اٹھا کر اس کو بغور دیکھا تھا پل بھر کے لیے آنکھوں میں مرچیں سی لگتی اسے محسوس ہوئی تھیں پھر وہ آنکھوں کو صاف کرتا اس پر سے نظریں ہٹا گیا۔

"میاں، میاں کیسا ہے تمہارا؟" اس نے اپنے درمیان بڑھتی خاموشی کو اک زہریلے اور کڑوے سوال سے توڑا تھا۔

"بہت خوب صورت۔" وہ سنبھل چکی تھی۔

"اوں، ہوں میں نے اس کی خوب صورتی کا نہیں پوچھا" وہ دھیما سا مسکرایا۔

"بہت اچھے ہیں، ابھی دفتر سے لوٹنے والے ہیں آپ ان سے مل کر جائیے گا۔"

"نہیں میرے پاس تو اتنا وقت نہیں ہے میں پھر کبھی آؤں گا اماں بتا رہی تھیں تمہاری دو عدد ساس بھی ہیں وہ کہیں نظر نہیں آرہیں کدھر ہیں؟" وہ انہیں تفصیل بتانے لگی تھی، پھر جلد ہی وہ چائے کے ساتھ ڈھیروں چیزیں لے آئی۔

"آپ نے شادی کر لی؟" اس نے اچانک اس سے

پوچھا تو اس نے اس پر نظریں ٹکادیں۔
"تمہیں کیا لگتا ہے؟" اندر کی اٹھتی ٹیس کو اس نے اندر ہی دبایا۔
"اب بھلا مجھے کیا پتہ آپ دور پردیس تو گئے ہوئے تھے۔"
"لیکن تم سے دور تو نہ تھا۔" اسے تیز دھار نے جیسے کاٹا تھا۔ وہ چپ کی چپ رہ گئی' باہر کھٹکا سا ہوا وہ اٹھ کر باہر دیکھنا چاہتی تھی لیکن اس کی اگلی بات نے اسے روک دیا۔
"میں نے تو کچھ اور ہی سوچا تھا لیکن قسمت......" وہ چپ سے ہو گئے۔
"جیسا بھی ہو سب کے ساتھ بہتر ہوتا ہے قسمت کو بھلا دوش دینے سے کیا حاصل' ملنا تو وہی ہے جو ہمارے لیے بہتر ہوگا۔"
اس نے نہایت مصالحانہ بات کی تھی۔ وہ ہنس دیا۔ (طنز سے)
"شاید' یہ بہتری میرے لیے ہی رکھی گئی ہے۔"
اس نے جیسے اپنے آپ پہ طنز کیا تھا۔ وہ افسوس سے اسے دیکھنے لگی۔
"آپ نے تو کبھی بھی ایسی باتیں نہیں کی تھیں۔"
"وقت سکھادیتا ہے' زخم بھی تو یہی دیتا ہے۔"
"خیر مرہم بھی تو یہی رکھتا ہے۔"
اور زخم پھر بھی مندمل نہیں ہوتا۔" اس نے دکھ سے کہا تھا۔
"بندہ خود چاہے تو اس زخم کو مندمل کرسکتا ہے۔"
"ہاں یہ تو میں جانتا ہوں ایک بڑی مثال تو میرے سامنے ہے۔" اس نے تو بڑے عام سے لہجے میں کہا تھا لیکن اس کا لہجہ ارسہ کو بڑا معنی خیز لگا تھا۔
"ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں' غالباً" میں نے شادی کے بارے میں پوچھا تھا۔" وہ پھر پچھلی بات پہ آئی۔
"اور غالباً" میں نے بھی کوئی بات کہی ہے۔" اس نے بھی اس لہجے میں کہا تو وہ اسے گھورنے لگی۔
"اب بھلا مجھے کیا پتہ میں تھوڑی آپ کے ساتھ تھی۔"
"شاباش ہے بہنیں بھی کبھی بھائیوں سے دور رہ سکتی ہیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا وہ سامنے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے بھی مڑ کر دیکھا تو دروازے کے عین وسط میں سمیر کھڑا ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ شاید اسی لیے عمیر نے جلدی سے بات بدلی تھی۔
"پر بھائی تو باہر جھک مارتے رہے ہیں بہنوں کو کیا خبر۔" وہ اپنے کہنے پہ خود ہی ہنسی (پھیکی ہنسی ورنہ اندر سے تو وہ کانپ گئی تھی۔)
وہ چلتا ہوا اس کے پاس آگیا۔
"سمیر ہیں میرے شوہر اور سمیر یہ میری چھوٹی خالہ کے بڑے بیٹے عمیر ہیں۔ کچھ عرصہ سے کینیڈا میں مقیم تھے۔ اب آئے ہیں تو ہم سے ملنے چلے آئے۔"
اس نے بظاہر بڑی خوش اخلاقی سے تعارف کرایا تھا مگر ٹانگیں' دل سوکھے پتے کی مانند کانپ رہا تھا اسے۔ جو آج دو خوشیاں ملی تھیں اب وہ خاک میں ملتی نظر آرہی تھیں۔
"ہم سے بھی یا پھر اکیلے تم سے۔" عام سا لہجہ اسے بہت کچھ سمجھا گیا۔ وہ عمیر سے گلے ملنے لگا۔
"آپ سب سے یار بھلا اس آفت سے اکیلے مل کر اپنی شامت بلوانی ہے۔"
"مثلاً"؟" وہ دونوں بیٹھ گئے جبکہ وہ کھڑی رہی نجانے وہ اس بات کو کس رنگ میں لیتا۔
"مثلاً" یار یہ تمہاری بیوی اور میری ننھی بہن باتیں بہت کرتی ہے۔"
"اچھا!" وہ حیران ہوا۔" لیکن انہوں نے ہمارے سامنے تو کبھی اتنی باتیں نہیں کیں۔"
"تمہارے سامنے نہیں لیکن میرے سامنے تو کرتی ہے۔" نا سمجھی میں ہی نجانے وہ کیا بات کر گیا تھا۔
"پھر تو یہ خاص خاص بندوں سے ہی باتیں کرتی ہیں۔" سمیر نے اک گہری نظر اس پہ ڈالی تھی وہ اندر تک کانپ کر رہ گئی۔
"خاص کون یار' اہم تو تم لوگ ہو جو انہیں بن مانگے لے آئے' ہمارا انتظار بھی نہ کیا۔" اس نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر گویا ہوا۔ "کم از کم بڑے بھائی کی

طرح اسے رخصت تو کرتا۔"

"بس قسمت....." وہ مسکرا دیا۔

"ارسہ کھانے کا انتظام کرو، تمہارے مہمان کینڈا سے تشریف لائے ہیں۔" وہ اسے کہنے لگا۔ "ویسے بھی شام ہو گئی ہے۔"

"جی ابھی کرتی ہوں۔" وہ باہر نکل گئی۔

سمیر نے اسے کھانے کے لیے روک لیا تھا، کھانا کھانے کے بعد وہ ان دونوں سے گھر آنے کا پکا وعدہ لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ارسہ کو بار بار لگ رہا تھا کہ سمیر کو عمیر کا یہاں آنا پسند نہیں آیا، وہ اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا اور وہ اندر ہی اندر کانپ رہی تھی۔

"یہ تمہارے کزن کب سے آ کر بیٹھے ہوئے تھے؟" وہ کچن میں برتن دھو رہی تھی۔ جب وہ ننگے پاؤں اس کے پیچھے کھڑا اس سے پوچھ رہا تھا، وہ ایک لمحے کے لیے تو پوری کی پوری لرزا ٹھی تھی۔

"آپ کے آنے سے پانچ چھ منٹ پہلے۔" اس نے مڑ کر سرسری سا جواب دے دیا۔

"اچھا! ایک کپ چائے بنا دو۔" وہ الٹے قدموں واپس مڑا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ چائے بنا کر لے آئی تھی۔

"سمیر آج میں ڈاکٹر رضیہ کے پاس گئی تھی۔" وہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"ہوں۔"

وہ چپ سی ہو گئی، وہ لیٹا ہوا تھا اور کسی کتاب میں بری طرح محو تھا یا پھر ظاہر کر رہا تھا۔

"اس نے مجھے دیکھتے ہی میری صحت کے بارے میں اندازہ لگا لیا تھا۔"

"ہوں۔"

"وہ بہت قابل ڈاکٹر ہیں۔"

"ہوں۔"

"دیکھتے ہی بندے کے مرض کو سمجھ جاتی ہیں۔"

"اچھا۔"

وہ اسے کچھ بتانا چاہتی تھی۔ جب اس نے کوئی توجہ نہ دی تو وہ خاموش ہو گئی۔

کچھ دیر اسے خاموش پا کر اس نے چہرے کے آگے سے کتاب ہٹائی۔ وہ سر جھکائے اپنے ناخنوں کو گھور رہی تھی۔ شاید کوئی بات کہنا چاہتی تھی، وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔

"کوئی اور بات بھی ہے؟" وہ چونکی اور اسے دیکھنے لگی۔ وہ تذبذب کا شکار تھی کہ اسے کیسے بتائے یہ بات اسے اپنے منہ سے بتاتے ہوئے اسے ڈھیروں شرم آ رہی تھی۔

"کیا کوئی بات ہے؟" اس نے دوبارہ سے پوچھا اور اٹھ کر بیٹھ گیا، اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ ان دونوں کے درمیان اتنی بے تکلفی تو کبھی نہ رہی تھی کہ فٹ سے اسے بتا دیتی۔ رات کے اندھیروں میں وہ بنا کچھ سنے، بنا کچھ کہے اس کی ضرورت بنتی رہتی تھی۔ دن کے اجالوں میں تو وہ ساری جان پہچان ختم کر لیتا تھا۔ اب بھلا یہ انوکھی بات اسے کیسے بتاتی۔ وہ لاکھ چاہتی اس سے یہ بات نہ کہہ پاتی، ایک تو شرم، حیا الگ اور دوسرے اتنی بے تکلفی بھی نہ تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو، کوئی بات ہے تو کہو۔" وہ بے زاری سے بولا۔

"جی۔"

"اگر کچھ نہیں ہے تو جاؤ لیٹ جاؤ، میرا وقت ضائع مت کرو۔" اب کی بار اس کے لہجے میں ہلکے سے غصے کا تاثر تھا۔ وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔

"وہ ڈاکٹر رضیہ نے کہا ہے کہ....." وہ اٹکی۔ وہ بے زار ہوا۔

"کیا؟" اب اسے سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔

"سمیر وہ کہتی ہیں....."

"دفع ہو جاؤ کمرے سے، ورنہ گردن دبا دوں گا تمہاری۔" اب کی بار وہ چیخا تو اس نے سہم کر اس کا ایک ہاتھ پکڑ لیا۔

"سمیر میں ماں بننے والی ہوں۔" اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر جیسے اسے حوصلہ ہوا تھا وہ نگاہیں جھکا کر آہستہ سے کہہ گئی تھی اپنے ہاتھ میں دبے اس کے ہاتھ میں کوئی حرکت نہ ہوئی تھی اور نہ وہ کچھ بولا

تھا۔ اس نے اس کی خاموشی سے خائف ہو کر اس کی طرف نگاہ کی تھی۔ وہ سرخ انگارہ آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے لگا اس کی نگاہوں میں کچھ خاص تھا۔ جیسے وہ اس سے یہ نہ سننا چاہتا ہو یا پھر ایسا نہ چاہتا ہو۔

"سمیر۔"

"تم خوش ہو؟" خشک لہجے میں دریافت کیا گیا۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"بھلا یہ کیسی خوشی۔۔۔۔" کھردرے لہجے میں کہہ کر اس نے اس کے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ کھینچا۔

"اچھی بات ہے تم ماں بننے والی ہو' مبارک ہو۔" اس نے سرد لہجے میں جیسے اس پہ طنز کیا تھا' اسے اپنے اندر کپکپی طاری ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

"چلو سو جاؤ۔" وہ سرد لہجے میں کہتا اٹھ کھڑا ہوا' سانس لیے بغیر وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

یا اللہ! کیا اب بھی۔۔۔۔ کیا اب بھی مجھے بے مراد لوٹایا جائے گا۔ کیا اب بھی مجھے بدنصیب' بد قسمت ٹھہرایا جائے گا' اس نے سانس اندر ہی اندر اتارا تھا۔

"یا اللہ تو مجھے اب تو سرخرو کر دے۔ کیا کمی ہے تیرے عظیم خزانے میں" وہ لیٹ چکی تھی' پورا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور باہر وہ اندھیرے گوشے میں بیٹھا نجانے کیا سوچ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

پھر اس کے بعد بھی اس کا رویہ وہی رہا۔ اس سے کبھی نہ بچے کے بارے میں کوئی بات کی اور نہ اس کی صحت کے بارے میں اماں کو نجانے کیسے پتہ چل گیا تھا۔ وہ اس کا بہت خیال رکھنے لگیں' آنے والے بچے کی تیاریاں زور و شور سے کرنے لگیں۔ جب بھی بازار جاتیں آتے ہوئے ڈھیروں کھلونے اور چھوٹے چھوٹے کپڑے لے آتیں ارسہ بے اختیار ہنسنے لگتی۔

"آنے والے کی پروا باپ کو نہیں۔ بے چاری دادی کتنی خوش ہیں۔ اب انہیں کیا پتہ آنے والا محبت کی پیداوار نہیں صرف حقوق' فرض کی بنا پر آ رہا ہے۔" وہ جلے دل سے سوچتی تھی۔ پھر آنے والا کا تصور کر کے دنیا جہاں سے بے خبر ہو جاتی۔ "میرا بچہ' میرا اپنا بچہ' کتنا پیارا ہو گا' کتنا معصوم' وہ کیسی ننھی ننھی باتیں کرے گا۔ مجھے امی کہے گا اور اس سنگ دل کو ابو' کتنا اچھے لگے گا" وہ اسے محسوس کر کے ہی خوش ہوئی جا رہی تھی' لبوں سے ہنسی ہی جدا نہ ہو رہی تھی۔ ایک دن اس نے اسے اکیلے اکیلے مسکراتے دیکھ کر پوچھ ہی لیا۔

"کیا بات ہے۔ یہ مسکراہٹ کس سلسلے میں؟" وہ بوٹوں کے تسمے کھول رہا تھا۔

"اماں کہتی ہے بچے کو سب سے پہلے اماں بولنا آئے گا۔"

"کس کا بچہ اماں بولے گا؟" اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا تھا۔

جواباً" وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔ (اتنے معصوم مت بنو سمیر)

"اوہ۔۔۔۔" اس نے موزے اتارے اور جوتے میں دبا دیے خود واش روم میں ہاتھ دھونے چلا گیا۔

"کب آ رہا ہے یہ بچہ؟" رات اس نے کھانے کے بعد پوچھا تھا وہ ہچکچا سی گئی۔

"کیا بہت خوش ہو؟" ارسہ کو لگا اس کے لہجے میں لاپروائی نہ تھی۔ وہ غور سے اس کا چہرہ تکنے لگی۔ وہ اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"بہت' بہت زیادہ' آپ نے جو کچھ بھی مجھے دیا سب سے قیمتی اور خوب صورت تحفہ یہی ہے۔" کتنے دنوں کے بعد وہ اس سے اس طرح نارمل ہو کر بات کر رہا تھا۔ ورنہ اب تو وہ سوتا بھی اس سے دور ہٹ کر تھا۔

سمیر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور آہستہ آہستہ سہلانے لگا۔ کچھ دیر دونوں کے درمیان خاموشی رہی پھر وہ ہولے سے بولی تھی۔

"سمیر میرا بچہ کیسا ہو گا؟"

"بچہ تمہارا بچہ صرف تمہارا بچہ؟" اس نے کرنٹ کھا کر اس کا ہاتھ چھوڑا تھا اور اس کا تمتماتا چہرہ دیکھنے لگا۔ اس کے بعد اسے نجانے کیا ہوا تھا۔ وہ ہاتھ جھٹک کر باہر نکل گیا اس کے اس رویے سے اس نے یہ ہی

اندازہ لگایا کہ اسے بچے کی کوئی خواہش نہیں اس لیے اس کے بعد اس نے بچے کا ذکر تک کرنا چھوڑ دیا تھا لیکن سمیر جانتا تھا وہ بچے کے لیے بہت خوش ہے۔ اسی لیے وہ اس پہ اب سختی بھی نہیں کرتا تھا لیکن اب جو کچھ ہو گیا تھا۔ وہ بہت خوفناک تھا۔

☆ ☆ ☆

جس دن سمیر ہوا تھا نجانے مجھے بخار نے کیوں جکڑ لیا' اتنا ٹوٹ کے بخار آیا کہ میں بالکل ہی بستر سے لگ گئی۔ بے چاری عالیہ خود بیمار' اب میں سوچتی میری خدمت کون کرے' بے چاری بچیاں سارا سارا دن کام کرتی رہتیں۔ عالیہ کی طبیعت سنبھل بھی گئی مگر میرا بخار نہ ٹوٹا عالیہ کام کاج کرنے لگی اور سمیر سارا سارا دن میرے پاس پڑا رہتا۔ بچپن میں تو ہر کوئی بیمار رہتا ہے لیکن سمیر کچھ زیادہ ہی بیمار ہو گیا' ہر وقت روتا رہتا اور رو رو کر بے ہوش ہو جاتا۔ پھر جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا اس کے ڈھنگ ہی نرالے ہوتے گئے ہر وہ کام کرتا جو ہماری مرضی کے خلاف ہوتا۔ باہر کھیلنے جاتا تو آئے دن کسی نہ کسی بچے کی پٹائی کر آتا۔ کسی کا سر پھاڑ دیا کسی کا ہاتھ توڑ آتا۔ کسی کی کوئی چیز چھین کر لے آتا۔ ہم سب اسے سمجھانے کی بہت کوشش کرتے تھے لیکن یہ بہت شیطان بلکہ شیطان کا چھوٹا بھائی تھا۔''

''اماں میں شیطان نہیں ہوں۔'' عمیر بھائی منمنائے تو سب کو ہنسی آ گئی۔ سوائے اس کے' وہ گود میں ہاتھ رکھے چپ چاپ ان کی باتیں سن رہی تھی' باتیں کرنے والی بڑی اماں تھیں اور موضوع گفتگو سمیر تھا۔

''ارسہ ہم تو حیران ہیں تم سمیر کے ساتھ کس طرح گزارہ کر رہی ہو' وہ تو اپنے قریب کسی دوسرے کو آنے ہی نہیں دیتا پر کہتے ہیں نا کہ محبت میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ تم نے یقیناً ''اسے محبت سے فتح کر لیا ہے' ہے نا؟'' عمیر بھائی کے کہنے پہ وہ سٹپٹا سی گئی۔

''ویسے سچ سچ بتاؤ وہ تم سے محبت کرتا ہے؟'' شگفتہ بھابھی کی شوخی پر وہ جھینپ سی گئی۔

''بتاؤ نا۔'' انہوں نے اصرار کیا۔

''بھابی پلیز' مجھے نہیں پتا آپ دوسری بات کریں۔'' وہ نہیں جانتی تھی کہ چھت پہ جاتے سمیر کے قدم ایک لمحے کے لیے رکے تھے' پھر وہ نفی میں سر ہلاتا دو دو سیڑھیاں پھلانگتا اوپر چڑھ گیا۔

''او..... ہو' ایسی بھی کیا پردہ داری۔''

''بھابی آپ ہی ایسی باتیں بتا سکتی ہیں بے چاری ارسہ نہیں۔'' ہانیہ باجی نے محبت سے اسے دیکھا تھا۔ وہ آہستہ سے ہنس دی۔

''اے' ہے اسے میری بات تو سننے دو۔'' بڑی اماں نے ان سب کو ٹوکا تو سب ہی ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ عالیہ بیگم سب کے لیے چائے بنانے گئی تھیں۔ ثناء اور ہانیہ کی بیٹیاں سموسوں سے خوب انصاف کر رہی تھیں۔ عمیر تخت کے پاس پڑی کرسی پہ بیٹھا اور دوسری کرسی کے ہتھے پر ٹانگیں رکھے ہوئے تھا۔

''جی تو اماں آپ کیا کہہ رہی تھیں؟'' ثانیہ نے بڑی اماں کو مخاطب کیا تو وہ پھر سے ماضی میں چلی گئیں۔ اسی دوران عمیر بھی شروع ہو گیا۔

''ارسہ' سمیر مجھ سے چھ سات سال چھوٹا تھا بچپن سے ہی بہت جھگڑالو' شرارتی' شریر اور چالاک تھا' ہر کام میں ضد کرتا حتیٰ کہ ہر اس کام میں بھی ضد کرتا جو اسے قطعی ناپسند ہوتی' مطلب یہ نہایت ضدی اور چڑچڑا تھا' سخت غصہ اور چڑچڑا پن ہمہ وقت اس کے سر پہ سوار رہتا' تینوں بہنیں اس سے بڑی تھیں مگر وہ تینوں ہی اس سے ڈرتی تھیں اور تو اور وہ مجھے بھی نہیں چھوڑتا تھا۔ مجھ پہ بھی ہاتھ چلاتا لیکن پھر بھی وہ مجھے پیارا تھا' جب اسکول میں جاتا تو دوسرے لڑکوں کے بھائی اور ان کے درمیان پیار مجھے حسد میں مبتلا کر دیتے' میرا بھی جی چاہتا' میرا بھی بھائی مجھ سے اسی طرح پیار کرے' مجھ سے اسی طرح بات بات پر فرمائش کرے' لیکن سمیر یہ سب نہیں کرتا تھا اسے ہر چیز سے نفرت تھی۔ اپنے بستے' اپنی کتابوں' آئس کریم چاکلیٹ' اسکول اور خاص کر مجھ سے' وہ لڑکوں کے

سامنے مجھ سے جھگڑ پڑتا ان کے سامنے مجھے برا بھلا کہتا' اگر ـــــ میں اسے کچھ نہ کہتا تو دوسرے لڑکوں کو مارنا شروع کر دیتا' صرف اس لیے کہ میں اسے ماروں' تو وہ زیادہ بپھرے لیکن میں اسے مارنا تو ایک طرف اسے ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتا تھا وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا' مجھے محبت تھی اس سے' اسی لیے تو میں جس اسکول' جس کالج میں داخلہ لیتا ساتھ اسے بھی لے جاتا کیونکہ میں اسے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن لڑنے جھگڑنے کا مشغلہ اس نے کہیں بھی نہ چھوڑا آئے دن کسی نہ کسی سے لڑ پڑتا۔ میں اسے سمجھاتا تو الٹا مجھے بے عزت کر دیتا ایک دن میں نے گھر آ کر چھوٹی اماں سے اس کی شکایت کی' ابو کو بتانے کی میں نے غلطی نہ کی کیونکہ ہر روز ابو کو محلے سے اس کی شکایتیں ملتی رہتی تھیں لیکن اس دن برا یہ ہوا کہ جب میں چھوٹی اماں کو اس کے بارے میں بتا رہا تھا تو باہر کھڑے ابو نے بھی یہ سب سن لیا پھر اس دن پہلی بار ابو نے سمیر کو مارا تھا۔ انہیں اس پر پہلے ہی بہت غصہ تھا' اسی لیے وہ اسے کچھ زیادہ ہی مار گئے۔

اس نے چیخ چیخ کر سارا گھر سر پہ اٹھا لیا تھا' اتنا رویا کہ مجھے بھی رونا آ گیا' وہ کم رو رہا تھا جبکہ میں زیادہ' اماں اور چھوٹی اماں اسے چھڑانے لگی تھیں ابو نے ان دونوں کو بھی دھر لیا اور اس کے ساتھ ساتھ ان دونوں کو بھی خوب برا بھلا کہا جب کہ میں اس کے ساتھ مل کر رو رہا تھا پھر بعد میں پتہ ہے کیا ہوا۔" وہ مسکرانے لگے اماں چائے لے آئیں تو ہانیہ سب کو چائے دینے لگی۔ ریان اپنی دادی کی گود میں سر رکھ کر سو چکا تھا۔

"کیا ہوا؟" وہ بہت توجہ سے ان کی باتیں سن رہی تھی اسے آہستہ آہستہ سمجھ آ رہی تھی کہ سمیر نے کئی غلط فہمیاں پال رکھی تھیں۔ وہ ہر بندے کو اپنی ہی نظر سے دیکھتا رہا تھا۔

"اس نے مجھے' اماں اور ابو کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا وہ سمجھا میں جو رو رہا ہوں تو اس کی نقل کر کے اس کے ساتھ آواز ملا رہا ہوں' وہ شروع ہی سے اپنی مرضی کا مالک تھا' جو چاہتا وہ کرتا' چاہے بہت غلط کر جائے اسے کوئی پروا نہ تھی۔" وہ ہلکے سے ہنس دیے۔

"پھر ایک دن اس نے کالج میں ایک لڑکی سے نوٹس مانگے' لڑکی نے اسے دے دیے۔" اب کی بار شگفتہ بھابی کھل کر ہنسی تھیں۔ وہ سمجھ گئی تھی یہ بات کون سی ہے۔

"سمیر بھی اپنے نام کا ایک تھا' نوٹس لے تو لیے لیکن دینے کا نام نہ لیا۔ پھر اس لڑکی نے مجھ سے شکایت کر دی اس سے پہلے کہ میں اس سے جا کر کچھ کہتا۔ اس لڑکی نے خود ہی جا کر اس سے نوٹس مانگ لیے پھر یہ ہوا کہ سمیر صاحب صاف صاف مکر گئے کہ انہوں نے کسی سے نوٹس وغیرہ لیے ہی نہیں' لڑکی کو جلال آ گیا تو وہ میرے پاس آ گئی' میں ابھی سوری کر رہا تھا کہ لڑکی کا ایک کزن لڑکی کی ہمدردی میں میرے پاس پہنچ آیا' کزن صاحب کو کچھ زیادہ ہی غصہ تھا' اس کے منہ سے کچھ غلط باتیں نکل گئیں' سمیر دور کھڑا دیکھ رہا تھا۔ تیزی سے ہماری طرف آیا اور آ کر اس لڑکے کا گریبان پکڑ لیا' پھر اس نے اس بے چارے کا سر پھاڑ دیا۔" اب کی بار انہوں نے قہقہہ لگایا تھا۔

"لیکن وہ تو کہہ رہے تھے انہوں نے اس کا سر آپ کی ہمدردی میں پھاڑا تھا۔" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولی اس واقعہ کو سمیر نے تو کسی اور ہی رنگ میں اس کے سامنے پیش کیا تھا۔

"ہاں بعد میں بھی وہ یہی کہتا رہا تھا۔ پھر اس دن گھر آ کر میں نے پہلی بار بڑا بھائی بن کر اسے مارا تھا' ابو نے بھی اسے برا بھلا کہا۔ دونوں ماؤں نے اسے ٹوکا' لیکن وہ پہلے کس کی سنتا تھا جو اس وقت سن لیتا۔ الٹا سب کو دھمکیاں دینے لگا' ابو سے تو اسے سخت نفرت ہو گئی تھی جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوتے وہ گھر سے باہر چلا جاتا۔ اگر وہ صحن میں ہوتے تو وہ چھت پہ ہوتا' اگر وہ اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تو وہ کھانا چھوڑ دیتا' یہی حرکت وہ میرے ساتھ بھی کرتا تھا لیکن میں نے کبھی برا نہ مانا' میں جانتا تھا وہ میرا چھوٹا بھائی ہے اسے بھی مجھ سے محبت ہے لیکن یہ میری خام خیالی تھی۔ وہ مجھ سے محبت تو کیا کرتا' دیکھنا گوارہ نہ کرتا۔ اسے مجھ سے نفرت

تھی شدید نفرت۔" ارسہ نے بے اختیار ان کا چہرہ دیکھا۔ کرب دکھ کی پرچھائیں ان کے چہرے پہ واضح تھیں، جیسے انہیں بہت تکلیف ہو رہی ہو یہ سب بتاتے ہوئے۔ دکھ درد ان کے لہجے سے عیاں تھا۔

"کتنی غلط فہمیوں میں گھرے ہو تم سمیر علی، اتنی چاہتوں کا بدلہ اتنی بے دردی سے دیتے رہے ہو اور پھر بھی اپنے آپ کو بے قصور اور بری الذمہ سمجھتے ہو۔" اس نے بے اختیار اوپر دیکھا سمیر نیچے ہی دیکھ رہا تھا، اس نے اسے دیکھ کر دکھ سے سوچا تھا جبکہ وہ پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"پھر میں نے اس لڑکی سے شادی کی ہامی بھرلی جس سے نوٹس والا چکر چلا تھا لیکن یہاں بھی سمیر کے من میں نہ جانے کیا سمایا کہ اس نے اس لڑکی کے خلاف بغاوت شروع کردی، اس کا کہنا تھا کہ اس لڑکی کی وجہ سے اسے کالج سے نکالا گیا ہے جبکہ اصل بات یہ تھی کہ وہ خود ہی ایک جگہ پر ٹک کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ خود ہی اس نے وہ کالج چھوڑا تھا۔

بہرحال شادی ہونی تھی ہو گئی اور سمیر نے وہ گھر چھوڑ دیا اس کا کہنا تھا جہاں وہ لڑکی 'عمیر' بڑی اماں اور ابو رہیں گے وہ وہاں نہیں رہ سکتا، وہ چھوٹی اماں ثانیہ اور ثنا کو لے کر اس گھر میں چلا آیا پھر دوبارہ اس نے اس گھر میں قدم نہیں رکھا حتیٰ کہ نہ تو وہ میری بارات کے ساتھ گیا اور نہ ہانیہ کی شادی پر بہت ہی انا پرست ہے، ہم خود ہی یہاں آجاتے ہیں، اسے ہمارا آنا قطعی پسند نہیں لیکن ہمیں اب اس کی پروا نہیں۔ وہ چاہے ہمیں دھکے دے کر بھی نکال دے ہم یہاں سے نکلنے والے نہیں۔" اب کی بار وہ کھلکھلا کر ہنسے تھے۔

"ڈھیٹ جو ہوئے۔" شگفتہ نے ٹکڑا لگایا تو ارسہ کو خفت سی محسوس ہوئی۔

"بھائی وہ ایسا نہیں کریں گے۔"

"اس سے کوئی بعید بھی نہیں ہے۔"

"لیکن مجھے یقین ہے۔"

"کیا تم سے اس نے ایسی کوئی بات کی ہے" وہ یکدم چونکے۔

"وہ تو روزانہ کرتے ہیں۔"

"کیا کہتا ہے؟" وہ فوراً سیدھے ہوئے، ان کی آنکھیں روشن روشن ہو گئی تھیں۔ وہ ان کی آنکھوں میں اتنی چمک اور روشنی دیکھ کر دل ہی دل میں شرمندہ سی ہو گئی۔

"بتاؤ نا اس نے کبھی میرے بارے میں بات کی ہے؟" وہ بے قراری سے تھوڑے آگے کو جھکے تو وہ مصنوعی ہنسی ہنس دی۔ بھلا یہ کیسے کہتی کہ وہ تو آپ کا نام بھی اس گھر میں سننا نہیں چاہتے کجا کہ آپ کی باتیں۔

پھر اس نے انہیں خوش کرنے کی خاطر سمیر کی طرف سے دو تین جھوٹ بولے تھے۔ انہیں بتایا تھا کہ وہ بھی آپ سے بہت محبت کرتا ہے مگر آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتا اور یہ کہ وہ اسے اکثر بچپن کے قصے اور **عمیر** بھائی کی پیاری پیاری باتیں بتاتا رہتا ہے، اس نے تو محض ان کا دل رکھنے کی خاطر جھوٹ بولا تھا لیکن وہ دیکھ سکتی تھی وہ تو جیسے ہواؤں میں اڑنے لگے تھے ان کی خوشی ان کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی وہ بار بار ہنس رہے تھے۔ بار بار مسکرا رہے تھے۔ اسے وہ بہت خوش لگے تھے۔

"اس کی تو ہر منطق ہی نرالی ہے، اللہ جانے کس بندے پہ چلا گیا ہے۔" اماں جانتی تھی وہ صرف دل رکھنے کی خاطر **عمیر** سے جھوٹ بول رہی ہے۔ کیونکہ وہ سمیر کے ہر پہلو سے بخوبی واقف تھیں بھلا وہ اپنے حریف کے بارے میں ایسی باتیں کر سکتا ہے۔

"خیر اب تو وہ باپ بننے چلا ہے دیکھتے ہیں اس میں اور کون کون سی تبدیلی رونما ہوتی ہے دو ڈھائی مہینوں کی ہی تو بات ہے۔ وہ ایک اور رتبہ حاصل کرلے گا۔"

"بھائی پلیز۔" اس کا چہرہ تپ اٹھا یہ بات وہ سب کے سامنے کہہ رہی تھیں۔ وہ تو پہلے ہی سب کے سامنے اپنا وجود لے کر آنے سے کتراتی تھی لیکن بھابی نرالی باتیں ہی کرتی تھیں وہ بے چاری شرم و حیا سے اپنے چہرے پہ دوڑتی سرخی کو چھپانے کی ناکام سی سعی کرنے لگی، **عمیر** بھائی کے سامنے ہی تو وہ بیٹھی تھی۔

انہوں نے بھی تو بھابی کی بات سنی ہو گی۔ شرم کی وجہ سے اس سے وہاں بیٹھا بھی نہیں گیا۔

"میں، میں سمیر کو چائے......" اس سے بات بھی مکمل نہ ہو پائی تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ پیچھے شانا نیہ بھابی کو تنبیہہ کر رہی تھیں اور وہ زور زور سے ہنس رہی تھیں۔

اس نے کچن میں آ کے سکون کی سانس لی اور فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر پانی پیا۔ پھر چائے بنانے لگی۔ جانتی تھی اوپر وہ چائے کا انتظار کر رہا ہو گا۔

"نجانے بھابی بھی کیسی باتیں کرتی ہیں بھلا یہ بات عمیر بھائی کے سامنے کرنے والی تھی۔" اسے اب بھی بہت شرم محسوس ہو رہی تھی، یہ بات تو سمیر نے غور سے نہ سنی تھی اسے تو اس سے کیا بچے سے بھی کوئی دلچسپی نہ تھی۔ چار ماہ ہو گئے تھے اس بات کو اس کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہ کرتا تھا۔ پہلے اسے لگتا تھا وہ اس سے ہمدردی کرتا ہے مگر اب ہمدردی کی بھی کوئی جھلک اس کے لہجے سے عیاں نہ ہوتی تھی۔ بقول اس کے وہ تو اب اس سے حقیقی نفرت کرتا تھا۔ بے شک اس نے یہ بات کبھی کی نہ تھی وہ اندازہ کر سکتی تھی اس کے رویے سے، وہ سر جھٹک کر چائے نکالنے لگی۔

"ہاں ابھی بھی اسے مجھ پہ رحم آتا ہے۔ ابھی بھی اس کے دل میں میرے لیے ہمدردی ہے تبھی تو وہ مجھے گھر میں رکھے ہوئے ہے ورنہ وہ چاہتا تو کب کا مجھے گھر سے نکال چکا ہوتا۔" وہ چائے کا کپ لے کر باہر چلی آئی پہلے اس کا دل چاہا شانا کے ذریعے چائے بھجوا دے۔ پھر اس ڈر سے کہ کہیں بعد میں وہ اس پہ بگڑے ہی نا، وہ خود ہی چائے لے کر اوپر آ گئی۔

شام بس ہونے ہی والی تھی۔ دائیں بائیں کے سب گھروں سے رات کے کھانوں کی خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں، دھیمی دھیمی ہوا سب درختوں کو چھو کر انہیں چھیڑ رہی تھی، وہ ساتھ والے گھر میں جھانکتی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی، ایک دو سالہ بچہ ہاتھ میں سرخ گیند پکڑے ہوا میں اچھالنے کی کوشش کر رہا تھا اس کی ماں اس کی اس حرکت پہ محبت سے مسکرا رہی تھی۔

اسے اپنے وجود میں انوکھی سی سرسراہٹ محسوس ہوئی تو وہ جھینپ کر ہولے سے مسکرا دی۔

"مل گئی فرصت اٹھکیلیوں سے، آ گئی میری یاد بھی۔" وہ چھت پہ ٹہل رہا تھا، اسے دیکھتے ہی پھنکارا تو وہ بنا کچھ کہے اسے چائے پکڑانے لگی، اس نے کپ پر ایک ہاتھ مارا۔ جہاں کپ ٹوٹا وہیں چائے دور تک پھیل گئی۔ وہ سہم کر تھوڑی سی پیچھے ہٹ گئی۔ وہ اسے اپنی سرخ آنکھوں سے گھورنے لگا۔

"میں تمہارا کیا ہوں؟" اس نے غصے سے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ اس سے پوچھا تو وہ بے اختیار دو قدم پیچھے اور ہٹ گئی وہ اس کے نزدیک آ گیا۔

"کیا ہوں میں تمہارا؟" وہ پر وحشت انداز میں اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا، وہ اس کے اس ظالمانہ انداز پر پوری کی پوری کانپ کر رہ گئی۔

"میں نے کیا پوچھا ہے۔" اس نے اس کے کندھوں پہ دونوں طرف ہاتھ رکھ کر جیسے اسے بے بس کر دیا۔

"سمیر۔"

"میں تمہارا شوہر ہوں یا نہیں۔" وہ اس کے بھاری سراپے پر ایک نظر ڈالتا اسے نجانے کیا یاد کرا گیا۔ اس کے بے اختیار آنسو چھلک پڑے۔

"رونا نہیں......" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "کم از کم میرے سامنے تو نہیں رونا۔" وہ بہت سختی سے کہہ رہا تھا کوشش کے باوجود وہ اپنے آنسو نہ روک پا رہی تھی۔

"پونچھو اپنے آنسو۔" اس نے اس کے کندھوں پہ اپنا سارا زور ڈال دیا تو وہ بلبلا کر رہ گئی، خود بخود ہی اس کے ہاتھ آنسو صاف کرنے لگے تھے۔ وہ اس کی آنکھوں میں ہی دیکھ رہا تھا۔

اسے سمیر کی آنکھوں میں صرف ایک لمحے کے لیے نرمی نظر آئی تھی مگر دوسرے ہی پل وہاں اتنی سختی در آئی کہ وہ آنکھوں پر اپنی بھیگی پلکیں گرانے پر مجبور ہو گئی۔

"جب تم ان کے پاس بیٹھ جاتی ہو تو تمہیں میری یاد

بھی نہیں رہتی۔ کیوں کیا میں نے تمہیں نہیں روکا کہ ان کے پاس زیادہ نہیں بیٹھنا' ان سے زیادہ فری نہیں ہونا؟ کیا میری بات تمہیں سمجھ نہیں آتی؟ کیا وہ مجھ سے زیادہ عزیز ہیں تمہیں؟" وہ اپنے ہاتھوں کی آہنی انگلیاں اس کے کندھوں میں گاڑھے جا رہا تھا۔ وہ درد سے کراہ کر رہ گئی۔

"بولو۔" اس کے کہنے پہ اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری اور پھر بے بسی سے بولی۔

"کیا آپ کو مجھ پہ شک ہے؟" یک لخت اس کی انگلیوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ تو اس کی آنکھیں ایک بار پھر برسنے کو تیار ہو گئیں۔

"میں ان لوگوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔" اس نے فوراً" اس کی بات کاٹی تھی پھر اس کے کندھے چھوڑ کر چہرہ پھیر گیا۔

"نہیں سمیر اصل بات کچھ اور ہے' چار ماہ ہو گئے ہیں جو آپ کے اندر میرے لیے ہمدردی تھی وہ بھی اب نہیں رہی' آپ بات بات پر مجھے ٹوکتے ہیں' انتہائی سخت لہجہ ہوتا ہے آپ کا کیا دیکھ لیا ہے آپ نے مجھ میں ایسا کہ اب میں آپ کی ضرورت نہیں رہی۔" نجانے اس میں اتنی ہمت کیسے آ گئی تھی کہ وہ اس کے سامنے یہ چند سخت الفاظ بول گئی۔

"شٹ اپ' میں نے یہ بکواس کرنے کو تمہیں نہیں کہا۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر غرایا۔

"یہ بکواس نہیں ہے سمیر آپ واقعی بہت بدل گئے ہیں۔ کبھی تو آپ کو اپنے ہونے والے بچے میں بھی ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں ہے۔"

"بات کو دوسرا رخ مت دو اور سنو نہ تو میں نے تم پر کوئی شک کیا ہے اور نہ آنے والے بچے کے متعلق کوئی فضول بات کروں گا میں نے بات کی ہے تو صرف نیچے بیٹھے لوگوں کی۔" شدید غصہ ابھی بھی اس کے سر پہ سوار تھا۔

"مجھے پہلے ہی شک تھا' میں جانتا تھا وہ لوگ تمہیں بھی ساتھ لگا لیں گے' لگا لیا نا انہوں نے تمہیں اپنے ساتھ' پھنسا لیا نا تمہیں اپنی باتوں کے چنگل میں' اسی دن سے میں ڈرتا تھا' اسی دن سے تمہیں دور رکھنا چاہتا تھا لیکن نہیں..." اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "سب کچھ غلط ہو گیا۔ وہ ایک اور وار کر گئے اب میں دیکھتا ہوں وہ اور کیا کرتے ہیں' دیکھنا ابھی میں انہیں گھر سے باہر نکالوں گا۔ تم دیکھ لو نیچے آکر' دیکھنا کیا حشر ہوتا ہے ان کا۔" وہ تیزی سے سرخ چہرے اور شعلے اگلتی آنکھوں سے واپس مڑا تھا۔ وہ ایک دم سے ہوش میں آئی اور اس کا بازو پکڑ لیا۔

"نہیں سمیر پلیز آپ ایسا... پلیز سمیر میری بات سنیں سمیر پلیز۔" اس نے مضبوطی سے اس کے بازو کو اپنی گرفت میں دبوچا تھا۔ ابھی ابھی تو وہ ان کے سامنے جھوٹ بول کر انہیں یقین دلا کر خوشیوں کی سند بخش آئی تھی' ابھی ابھی وہ انہیں خوش خبری سنا کر آئی تھی' انہیں اندر تک خوش کر آئی تھی اور ابھی ہی وہ ان کی خوشی چھیننے چلا تھا' انہیں خوش فہمیوں سے نکالنے چلا تھا۔

"چھوڑو مجھے۔" وہ اسے گھسیٹتا ہوا تقریباً" سیڑھیوں تک پہنچ آیا تھا مگر اس نے اس کے غصے کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرنے لگی۔

"پلیز سمیر دیکھیں وہ صبح خود ہی چلے جائیں گے۔ اس وقت پلیز جھگڑا نہ کریں' میں خود انہیں کہہ دوں گی۔ پلیز اس وقت رہنے دیں۔" وہ اس کے سامنے آخری سیڑھی پر کھڑی اس کے سامنے ہاتھ باندھنے لگی تھی۔ وہ تو جیسے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس چکا تھا۔ اس کی کسی بات کا اس پر اثر ہی نہ ہو رہا تھا۔

"ہٹو میرے آگے سے۔" وہ غصے سے دھاڑا تو وہ دوبارہ سے اس کے سامنے ہاتھ باندھنے لگی۔ جانتی تھی متوقع جھگڑا کوئی چھوٹی نوعیت کا نہ ہو گا۔ لیکن اس پہ تو کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہو رہا تھا۔ وہ تو غصے سے اور بپھر رہا تھا۔

"میں نے کیا کہا ہے ہٹو میرے آگے سے۔" اس نے بھی ایک سیڑھی پہ پاؤں رکھا تھا۔

"سمیر پلیز آپ جذبات سے کیوں کام لے رہے

ہیں۔ ہوش کریں۔" وہ اس سے آگے ایک سیڑھی پہ کھڑی ہو گئی۔ وہ اسے گھورنے لگا۔

"ہٹ جاؤ۔" اس نے اسے گھور کر نچلی سیڑھی پر پاؤں رکھنا چاہا تھا۔ اس کا کندھا ارسہ کے کندھے سے ٹکرایا تو وہ جو ایک پاؤں اٹھائے ہوئے تھے اک دم سے لڑکھڑائی' ایک لمحے کے لیے اس کا توازن بگڑا اور وہ بارہویں سیڑھی سے پہلی تک لڑھکتی چلی آئی۔

"اماں۔" اس کے منہ سے نکلنے والا صرف یہی آخری لفظ تھا۔ اتنی زوردار چیخ پہ سب لوگ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے تھے' وہ جو ہکا بکا کھڑا اسے نیچے لڑھکتا دیکھ رہا تھا' ہوش حواس سے بے گانہ ہو کر ایک ہی جست میں نیچے پہنچا اور اس کو بانہوں میں بھر لیا۔

"کیا' کیا ہو گیا؟" اماں نے دہل کر سینے پہ ہاتھ رکھا' ثناء' ہانیہ' شگفتہ' عمیر سب ہی ان کی طرف دوڑے تھے۔

"اماں' اماں۔" اس کی گھٹی گھٹی آواز نکلی تھی۔

"سمیر جلدی کچھ کرو ورنہ کام بگڑ جائے گا۔" شگفتہ بھابھی نے اسے جھنجھوڑا تھا۔

"ارسہ آنکھیں کھولو' پلیز ارسہ' ارسہ دیکھو میں کچھ نہیں کرتا پلیز آنکھیں کھولو۔" شگفتہ بھابی کے جھنجوڑنے کا اس پہ قطعاً" کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ وہ دیوانوں کی طرح ارسہ کو تھپتھپا رہا تھا۔

"کوئی گاڑی لاؤ' یہ بچے کا معاملہ ہے۔" اس کے کراہنے پہ بڑی اماں نے دہائی دی تھی وہ آنکھیں بند کیے بس کراہے جا رہی تھی۔ تڑپ تڑپ کر اس کی گرفت سے نکل رہی تھی۔ اس نے فوراً" اسے چھوڑا اور باہر کی طرف بھاگا' باہر گاڑی کا نام و نشان تک نہ تھا' وہ دیوانوں کی طرح سڑک پہ دوڑنے لگا۔ سنسان سڑک اسے بہت خوفناک لگی تھی۔

"بھائی جلدی کرو۔" اسے پیچھے سے ثنا کی آواز آئی تھی' وہ تیز تیز دائیں بائیں نظریں دوڑانے لگا لیکن سڑک صاف ستھری تھی۔ دور دور تک کسی گاڑی کا نام نہیں تھا۔ عمیر بھائی بھی باہر نکل آئے تھے۔

اماں نے گاؤں کی کسی دائی کی طرف دوڑ لگائی تھی۔

"پتر یہ مر جائے گی اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔" بڑی اماں نے نجانے کس کو کہا تھا۔ وہ چیل کی طرح اندر داخل ہوا اور ارسہ کو دونوں بازوؤں میں اٹھا لیا۔ عمیر بھائی بھی دوڑتے ہوئے آئے تھے۔

"بھائی۔" اس نے اک آس اک حسرت سے انہیں دیکھا۔

"ٹیکسی آ گئی ہے جلدی کرو۔" وہ عجلت میں بولے تھے وہ اسے بازوؤں میں اٹھائے باہر کی طرف بھاگا تھا۔

چھوٹی اماں اور بڑی اماں دونوں کے ہاتھوں میں تسبیح تھی۔ ثنا ہانیہ آنکھیں بند کیے بس دعائیں کر رہی تھیں۔ وہ کاریڈور میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبوچ رکھا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہو رہا تھا۔ عمیر بھائی بھی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑے تھے اور خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ڈاکٹر رضوانہ باہر آئیں تو اس نے بے قراری سے ارسہ کے بارے میں پوچھا۔

"کیس بہت پیچیدہ ہے بچے کے بچنے کے چانس ہیں لیکن ماں کی جان شدید خطرے میں ہے۔" وہ تڑپ اٹھا تھا۔

"پلیز' پلیز ارسہ کو بچا لیجیے۔ آپ تو کیس کو ہینڈل کر سکتی ہیں نا۔"

" مریضہ کی حالت بہت سیریس ہے۔ آپ خدا سے دعا کیجیے ہو سکتا ہے کوئی کرم ہو جائے۔" ڈاکٹر آگے بڑھ گئی تھیں۔

"بھائی۔" وہ عمیر کے گلے لگ کر رونے لگا۔

"دعا کرو سمیر انشاء اللہ دونوں ٹھیک ہو جائیں گے۔" وہ اس کا کندھا تھپکتے ہوئے بولے تھے۔ اماں بھی رونے لگی تھیں' بڑی اماں نے انہیں ساتھ لگا لیا۔ ثنا سب کو حوصلہ دینے لگی تھی۔ ڈاکٹرز آگے پیچھے آ جا رہے تھے۔ کئی لوگ ان سب کو دیکھ رہے تھے۔

وہ بہتے آنسوؤں سمیت دعائیں مانگنے لگا تھا۔ بار بار رب العزت سے معافی مانگ رہا تھا لیکن شاید وہ وقت دعاؤں کے قبول ہونے کا نہیں تھا' ایک ڈاکٹر ان کے

پاس آہستہ سے آکر رکی تھی اور پھران سب کے مرجھائے چہروں پر ایک نظرڈال کردھیرے سے بولی۔

"آئم سوری ہم......"

"پلیز ڈاکٹر صاحبہ ایسی کوئی خبر نہیں سنایئے گا۔" اس نے یکدم ڈاکٹر کی بات کاٹی تھی اور زور زور سے نفی میں سرہلانے لگا۔

"لیکن دیکھیں اس میں خدا کی مرضی شامل ہے اب ہم......"

"نہیں، پلیز، پلیز ایسی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے' کہہ دیں وہ دونوں خیر سے ہیں۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ ڈاکٹر کے سامنے باندھ رکھے تھے' آنسو تیزی سے رواں تھے' اس کے اس انداز پہ اماں ہانیہ اور ثنا رونے لگی تھیں۔ بڑی اماں اپنے آنسو پونچھ رہی تھیں۔

"پاگل ہوگئے ہو سمیر۔" عمیر نے اسے چپ کرانا چاہا تھا' ڈاکٹر صاحبہ لبوں پر زبان پھیر رہی تھیں' عمیر نے انہیں سوالیہ اور سمیر نے انہیں التجائیہ نظروں سے دیکھا تھا' انہوں نے سر جھکالیا۔ اب کہنا تو تھا ہی جو ہو چکا تھا۔

"بچے بعد میں بھی ہو سکتے ہیں' حوصلہ رکھیں آپ کی بیوی بچ گئی ہے اس پہ خدا کا شکرادا کریں۔" وہ انہیں حوصلہ دیتی آگے بڑھ گئی جبکہ وہ جیسے اپنی جگہ ساکت ہو گیا تھا۔

"سمیر' سمیر میرے بھائی' عمیر نے اسے کھینچ کر خود سے لگالیا وہ بلک بلک کررونے لگا تھا۔

اماں اسے نہ جانے کیا سنا رہی تھیں' وہ بے دلی سے لیٹی ان کی باتیں سن رہی تھی' اماں اس کی بار بار بھیگتی پلکیں دیکھ کر نظریں چرا جاتیں۔

"اماں میں پیدا کیوں ہوئی تھی؟ اس دنیا میں میرے نہ ہونے سے بھلا کون سی کمی رہ جاتی؟ بھلا میرا اس دنیا میں کیا کام تھا؟" اس نے بہتے آنسوؤں سمیت بہت دکھی ہو کر پوچھا تھا۔

"نہ میری بچی ایسے نہ کہہ۔" اماں تڑپ کر بولی تھیں۔ وہ ابھی تک ہاسپٹل میں ہی تھے' ہانیہ ثنا اور عمیر بڑی اماں کو لے کر گھر چلے گئے تھے۔ سمیر اور اماں اسی کے ساتھ تھے۔

وہ اماں کی گود میں سر رکھ کر رونے لگی تھی۔ اماں بھی شامل ہوگئیں۔

جو وجود صرف محسوس کرنے پر ہی اسے اتنا معتبر کر چکا تھا کہ وہ دنیا کی نظر میں خود کو سب سے بلند محسوس کرتی۔

اپنے آپ کو سب سے بالا سمجھنے لگتی' وہی وجود آج اسے یوں تن تنہا چھوڑ کر آج چپ چاپ سو گیا تھا' وہ ننھی روح جس کی پہلی ہنسی کی وہ منتظر تھی' جس کی پہلی اٹھکیلی اس کی آنکھیں دیکھنا چاہتی تھیں' جس کو چومنے کے لیے لب بے تاب تھے' جسے چھونے کے لیے ہاتھ بے قرار تھے اور وہ اس کے آنے کی خوشی میں جیسے اپنے آپ کو ہی بھول چکی تھی' اپنے آپ سے بے گانہ ہو چکی تھی' وہ اس دنیا میں آنکھ کھولے بغیر اپنی ہنسی بکھیرے بغیر' اس کی ممتا کی پیاس بجھائے بغیر چلا گیا' اسے تو وہ چھو کر محسوس بھی نہ کر سکی تھی۔ بڑا مان تھا اسے کہ اس کے پیروں کے نیچے بھی جنت لکھ دی جائے گی' اسے بھی ایک اعلیٰ مقام سے نوازدیا جائے گا' لیکن وہ سب خواب ہی رہا' یک لخت ہی وہ خواب ملیامیٹ کردیا گیا۔ وہ اب روتی نہ تو کیا کرتی۔

"چپ کرجا میری بچی' اس میں خدا کی رضا شامل تھی۔ تو کیوں اتنی مایوس ۔ ہو گئی ہے' جیسے خدا کی مرضی۔" وہ اس کا سر تھپک تھپک کر چپ کرا رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد اماں باہر چلی گئی تھیں اور وہ چپ ہونے کی بجائے تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔

دروازے پہ ہلکا سا کھٹکا ہوا تو اس نے جان بوجھ کر آنکھیں بند کرلیں۔ وہ چلتا ہوا اس کے بیڈ کے قریب آ کر رک گیا تھا' کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"ارسہ اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" وہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ خوب صورت چہرے پہ آنسوؤں کے نشان واضح تھے۔ اس نے سختی سے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

"ارسہ آنکھیں کھولو۔" وہ اس کی بھیگی پلکوں کی لرزش کو سمجھ گیا تھا۔ وہ حرکت کیے بغیر ہنوز اسی طرح لیٹی رہی۔

"ارسہ وہ سب کچھ جان بوجھ کر نہیں ہوا۔" اس نے اپنے کان بھی بند کر لیے وہ اس کی آواز تک نہیں سننا چاہتی تھی۔

"ارسہ دیکھو، میں جانتا ہوں تم جاگ رہی ہو، پلیز آنکھیں کھولو۔"

اس کی پلکیں پھر سے بھیگنے لگی تھیں۔ اس نے تمام ہمت مجتمع کر کے آنسوؤں کو باہر نکلنے سے روکا تھا، سمیر کی گرم نظروں کی تپش سے وہ اندر ہی اندر جھلسے جا رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے قصوروار ٹھہرا رہی ہو، ارسہ یقین کرو وہ سب کچھ نادانستہ طور پر ہوا تھا۔ وہ صرف تمہارا بچہ نہیں تھا۔ میرا بھی اتنا ہی تھا جتنا تمہارا تھا۔ مجھے بھی اتنا ہی دکھ ہوا ہے جتنا تمہیں پھر تم کیوں مجھے الزام دے رہی ہو بھلا کوئی باپ اپنے بچے کو قتل کر سکتا ہے۔" اس کی آواز سے گہرا دکھ عیاں تھا۔

"میں برا ضرور ہوں، مگر اپنے بچے کے معاملے میں نہیں، یہ سچ ہے میں نے اپنی پوری زندگی اندھیروں میں گزاری ہے۔ نفرتوں میں رہ کر عداوتوں کو اپنا کر کدورتوں کو پال کر۔ میں ہمیشہ غلط رہا لیکن قسم سے تمہارے معاملے میں، میں غلط نہ تھا، تم نے تو کبھی مجھے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔" اس نے اپنا بھاری ہاتھ اس کی لرزتی پلکوں پہ رکھا تو وہ تڑپ اٹھی۔

"پلیز۔" ایکدم سے وہ چیخی اور اپنی آنکھیں کھول دیں۔

"ارسہ میں بے قصور ہوں۔ تم کیوں اس طرح کر رہی ہو؟" وہ افسوس اور دکھ کے ملے جلے تاثرات سے پوچھ رہا تھا، وہ کچھ نہ بولی، اس کے وجیہہ چہرے پہ نفرت سے بھرپور ایک نظر ڈالی اور پھر غرا اٹھی۔

"سمیر صاحب قصور آپ کا نہیں، میرا ہے، میری زندگی کا ہے، میری قسمت کا ہے، آپ تو بہت عظیم اور معتبر انسان ہیں کہ آپ کے دل میں ایک دکھی دل ہے۔ آپ کو ہم جیسے لوگوں کی زندگیوں پہ ترس آتا ہے، ہمدردی ہوتی ہے آپ کو ہم جیسے لوگوں سے، رحم آتا ہے آپ کو ہماری اجڑی زندگیوں پر، رب تعالیٰ نے آپ کے دل کو حساس بنا کر ہم جیسے معذور لوگوں کا بھلا کر دیا ہے۔ چاہے آپ ہمیں اپنے جوتے کی ٹوہ پر ہی رکھیں، احسان تو کرتے ہیں نا، معتبر تو ہو جاتے ہیں نا۔"

"ارسہ۔" وہ تڑپ اٹھا تھا۔

"آپ نے مجھ پہ بھی بہت بڑا احسان کیا ہے اتنا بڑا کہ میں اسے کبھی بھول نہیں سکتی، مجھے ایک دوزخ سے لا کر دوسرے دوزخ میں لا پٹخا، یہ آپ کا بہت بڑا احسان ہے۔"

"ارسہ۔" اس نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے مگر اس نے سر کے اشارے سے اسے روک دیا۔

"میری زندگی پر رحم کھا کر مجھے بھی قابل رحم بنا دیا یہ بھی بہت بڑا احسان ہے۔ آپ کا مجھ پر۔" وہ پھٹ پڑی تھی۔

"مجھ پر ترس کھا کر مجھے پاس تو رکھ لیا لیکن دل میں جگہ نہ دی۔ یہ سب سے بڑا احسان ہے۔"

"اور ناقابل فراموش احسان تو آپ نے میری جان پہ ایک اور کیا ہے۔ مجھ سے ہمدردی کر کے آپ نے بڑی آسانی سے مجھے اپنی ضرورت بنا لیا، جب چاہا جہاں چاہا، اپنا حق وصول کر لیا، یہ تو ایک عظیم احسان ہے آپ کا مجھ پر، سمیر صاحب۔"

وہ بہت سختی اور حقارت سے کہہ رہی تھی۔ اس کے سامنے حقیقت جتلا رہی تھی۔ وہ بے رحمی کی آخری حد تک حقیقت پسند لگ رہی تھی اس پل۔

"پہلے جیسی بھی تھی میں اپنی زندگی گزار تو رہی تھی لیکن آپ کی ہمدردی کے بعد میری باقی زندگی آپ نے گزاری۔ میری زندگی میری نہیں رہی، وہ آپ نے اپنے ہاتھوں میں لے لی ہے۔ اب آپ جیسے چاہیں اسے گھمائیں، اس پہ رحم یا ترس کھائیں، اس سے

ہمدردی کریں' اسے ٹھوڈے ماریں اپنی ہر ضرورت پوری کریں' جو چاہیں آپ اس کے ساتھ سلوک روا رکھیں' کیونکہ یہ زندگی میری نہیں رہی' یہ تو آپ کے احسانوں تلے دب گئی ہے' میں تو پوری زندگی آپ کے سامنے سر اٹھا کر نہیں چل سکتی' آخر آپ نے مجھے اپنا پابند بھی تو کرلیا ہے' مجھ پہ احسانوں کا بار لگا دیا ہے آپ نے بھلا اتنے احسانوں کا وزن لے کر میں کہیں بھاگ سکتی ہوں۔" وہ روتے ہوئے بہت بے دردی سے حقیقت بیان کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے جیسے گرم گرم لاوا بہہ رہا تھا۔

"چچا چچی بھی مجھ سے ہمدردی رکھتے تھے' مجھے قابل رحم سمجھتے تھے انہوں نے تو صرف لوگوں کی نظروں سے مجھے گرایا تھا لیکن آپ نے تو مجھے میری اپنی ہی نظروں سے گرا دیا۔ میں یتیم' بے سہارا اکیلی' قابل رحم لڑکی بھلا آپ کے احسانوں کے کہاں قابل تھی۔ آپ تو......"

"ارسہ پلیز چپ کر جاؤ' میں اور کچھ نہیں سن سکتا۔" اس نے جیسے احتجاج کیا تھا وہ اور رونے لگی' پورا جسم ہچکیوں کی زد میں تھا۔

"میں آپ کو ستانا بھی نہیں چاہتی سمیر صاحب صرف آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں' جو میں نے کبھی اپنے چچا چچی سے بھی نہیں پوچھی' کیا آپ بتا سکتے ہیں مجھے جب کوئی بندہ اپنے لیے کوئی چیز خرید تا ہے تو وہ قیمت ادا کر کے لیتا ہے پھر آپ سب نے میری قیمت کدھر چھوڑی؟ میری قیمت کیوں نہیں لگائی؟"

"خدا کا واسطہ ہے ارسہ چپ کر جاؤ۔" اس نے اس کے خوب صورت لبوں پہ اپنی ہتھیلی جما دی تھی۔ وہ بلک بلک کر رونے لگی' سمیر کے آنسو بھی بہہ نکلے تھے۔ دل میں اک خواہش نے انگڑائی لی کہ وہ اسے کھینچ کر سینے میں بھینچ لے' اسے دل میں کہیں چھپالے۔ اس کے ہر دکھ ہر درد کا ازالہ کردے۔ مگر وہ بے دردی کی ہر انتہا پر پہنچی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس نے اس کا ہاتھ جھٹک کر خود کروٹ لے لی تھی اور وہ اس کی پشت کو دیکھتا رہ گیا تھا۔ وہ اب ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"شام کو گھر چلنا ہے' ابھی اماں تمہارے پاس ہیں میں دو گھنٹے بعد آؤں گا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی اور پھر شام آنے سے پہلے ہی خالہ چلی آئی تھیں اور اس کی ایک ہی رٹ تھی۔

"مجھے ابھی آپ کے ساتھ جانا ہے۔" اماں کے لاکھ سمجھانے پہ بھی وہ نہ رکی تھی اور خالہ کے ساتھ چلی گئی اور جاتے ہوئے اس نے سمیر کے لیے اماں کو ایک پیغام دیا تھا۔

"میں ان کا نام لے کر تا عمر احسان مند رہوں گی۔ ان کی۔" اماں سسک پڑی تھیں اور وہ آنسوؤں سمیت اپنا بھی گلا گھونٹتی خالہ کے ساتھ چل پڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

کبھی لوٹ کے آؤ تو دیکھو ہمیں
کیا کیا نشان چھوڑے ہیں وقت نے
کبھی یہاں' کبھی وہاں' کبھی ادھر' کبھی ادھر
سوچو کتنے مکاں چھوڑے ہیں وقت نے
کبھی زمین پہ بیٹھے کبھی آسماں میں اڑے
دیکھو کتنے آشیاں توڑے ہیں وقت نے
کبھی کرتے تھے جو خواہش دوسروں کی
آج انہی سے سائبان جوڑے ہیں وقت نے
جو چھوڑ کر چلے گئے تھے کسی وقت
وہ کشتیوں سمیت بادباں موڑے ہیں وقت نے

دو ماہ دس دن ہوگئے تھے۔ اسے خالہ کے گھر آئے ہوئے' ان دو مہینوں میں کئی بار اماں' ثانیہ' ثنا اور رانیہ اسے واپس لے جانے کے لیے آچکی تھیں لیکن اس کی "نہیں" ابھی تک برقرار تھی۔ خالہ نے بھی اسے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا۔ اماں آئے دن آجاتیں' اس کی منتیں کرتیں' اسے اپنے واسطے دیتیں لیکن اس کے پتھر دل کی ناں ہاں کرنے کا نام تک نہ لے رہی

تھی۔

گھر میں عمیر کی شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ خالہ نے اپنی یتیم بھانجی دعا کو عمیر کے نام کی انگوٹھی پہنادی تھی۔ ان دنوں دعا ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ فہد اور اسعد اسے چھیڑنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دے رہے تھے۔ وہ کبھی خوامخواہ رو دیتی، ابھی بھی وہ دونوں اسے چھیڑ رہے تھے، ارسہ انہیں چپ کرانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی لیکن وہ ساتھ اسے بھی دھر لیتے تو وہ کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتی۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی؟" اتنے میں عمیر اندر آگیا تھا سب ہی سنجیدہ ہو کر بیٹھ گئے، وہ بھاگنے کا سوچنے لگی۔

"ایک کپ چائے ملے گی؟" اس کا بس اتنا کہنا تھا دعا اثبات میں سرہلاتی اٹھی اور جھپاک سے باہر غائب ہو گئی پیچھے نوشین بھی چلی گئی۔ تو فہد اور اسعد نے بھی باہر کا رستہ لیا وہ یہاں بیٹھ کر اب کم از کم ان کی اتنی سنجیدہ اور بور گفتگو کو انجوائے تو نہیں کر سکتے تھے۔ باہر روشین اور نوشین رنگ برنگے کپڑے نکالے بیٹھی تھیں نوشین تین سال بعد ماں بننے والی تھی وہ ڈلیوری کی وجہ سے ہی یہاں رکی ہوئی تھی۔ صرف اس وجہ سے دیر تھی کہ وہ بھی فارغ ہو کر اپنے بھائی کی شادی کو انجوائے کر سکے۔ فہد اور اسعد باہر نکلے تو وہ بھی باہر جانے کے لیے پر تولنے لگی۔

"ارسہ کل میری سمیر سے ملاقات ہوئی تھی وہ اپنے والد صاحب کے ساتھ تھا۔ بہت الجھا الجھا لگ رہا تھا۔" اس نے اسے باہر جانے کے لیے پر تولتے دیکھ کر جھٹ وہ موضوع چھیڑ دیا جس سے وہ بچنا چاہتی تھی۔

"اس کی بکھری بکھری حالت دیکھ کر مجھے از حد افسوس ہوا قسم سے ارسہ وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے۔ بہت زیادہ پہلے پہل میں سمجھتا تھا میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں جس کا کوئی تعین بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن اب مجھے لگا وہ شخص تمہیں بہت چاہتا ہے۔ اس کا بکھرا بکھرا حلیہ، اس کی الجھی الجھی شخصیت، اس کے وجیہہ چہرے پہ چھائی پژمردگی اس شخص کے ٹوٹنے کا صاف پتہ دے رہی تھی۔

"جانتی ہو اس نے سب سے پہلے مجھ سے کیا پوچھا؟" اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اس نے سب سے پہلے یہی پوچھا کہ ارسہ کو کتنا غصہ آتا ہے۔" وہ مسکرایا جبکہ وہ مسکرا بھی نہ سکی۔

"میں نے کہا جو محبت کرتے ہیں وہ جان جاتے ہیں تو وہ بہت افسردہ ہوا اب دیکھو نا یہ تو میں بھی نہیں جانتا کہ تمہارا غصہ کتنا ہے کیونکہ میں تم سے محبت تو نہیں کرتا۔"

وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی تھی وہ پھر مسکرا دیا۔

"ہاں ارسہ یہ سچ ہے کہ میں تمہیں پسند کرتا تھا لیکن یہ انکشاف تو مجھ پہ اب ہوا ہے کہ وہ محبت نہیں تھی وہ صرف نوعمری کی پسند تھی۔ محبت تو مجھے دعا سے ہوئی ہے جسے میرا شریک حیات بننا ہے۔"

"عمیر کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟" وہ عجیب خوشی کے ملے جلے اثرات سے بولی۔

"ہاں! بھلا اس میں جھوٹ والی کون سی بات؟" اس نے فوراً اسے ٹوکا تو وہ ہنس دی۔

"پھر کیا سوچا ہے تم نے؟"

"کس بارے میں؟" وہ نا سمجھی سے بولی۔

"غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے ارسہ وہ صرف ایک حادثہ تھا اس روح کو دنیا میں نہیں آنا تھا کہ اس میں رب تعالیٰ کی مرضی شامل تھی پھر تم کیوں سمیر کو الزام دے رہی ہو۔ وہ بار بار اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہے۔ تم کیوں پتھر بنی ہوئی ہو، کیا تم یہ چاہتی ہو کہ وہ آکر تم سے معافی مانگے۔"

"پلیز عمیر۔"

"کیا کوئی باپ اپنے بچے کو قتل کر سکتا ہے؟" وہ زچ ہو کر بولا۔

"اسے بچے کی کوئی خواہش نہیں تھی۔" اس نے جیسے اس کا پول کھولا۔

"یہ تمہیں اس نے بتایا ہے؟" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو کہ اسے بچے کی کوئی خواہش نہ تھی؟"
"اس نے کبھی اس بارے میں کوئی بات جو نہ کی تھی۔"
"اور تم نے اپنے پاس ہی سے اندازہ لگالیا کہ اس نے تم سے کبھی اس بارے میں بات نہیں کی تو یقیناً" اس نے جان بوجھ کر تمہیں سیڑھیوں پر سے دھکا دیا ہے۔ اگر اسے تمہاری یا بچے کی پروا نہ ہوتی تو تمہیں اٹھا کر یوں سڑکوں پہ نہ بھاگتا' ڈاکٹروں کے سامنے ہاتھ باندھ باندھ کر تمہیں بچانے کے لیے منتیں نہ کرتا' شاباش ہے۔۔۔ تم تو اتنی سمجھ دار تھیں' یہ بے وقوفی کی باتیں کب سے شروع کر دیں۔" اس نے اسے اچھا خاصا جھاڑ دیا تھا اور اتنے میں ایک زوردار چیخ ابھری تھی وہ دونوں دوڑتے ہوئے باہر نکلے تو ارسہ کی اپنی چیخ نکل گئی۔

بالکل یہی منظر دو ماہ قبل ہوا تھا' اس دن سیڑھیوں کے نیچے وہ خود تھی لیکن آج اس کی جگہ نوشین پڑی تھی' کل اسے دھکا لگا تھا لیکن آج وہ دھکے کے بغیر گری تھی نجانے کس حالت میں نوشین کو ہاسپٹل پہنچایا گیا تھا۔ اس کے سسرال والے بھی آگئے تھے' ڈاکٹرز نے صرف دعاؤں کا کہا تھا اور رات آٹھ بجے ڈاکٹرز نے نہ صرف نوشین کے بچ جانے کی خوشخبری سنائی تھی بلکہ اس کے دو جڑواں بچوں کے باخیریت پیدا ہونے کی بھی اطلاع دی تھی۔ ہر طرف ہلچل مچ گئی تھی سب ایک دوسرے کو مبارکیں دے رہے تھے اور وہ ایک طرف کھڑی شرمندگی سے سر جھکائے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے جارہی تھی۔

جس روح کو زمین پہ آنا ہوتا ہے اسے دنیا کی کوئی بھی طاقت نہیں روک سکتی' وہ خود غلط تھی لیکن سب کو غلط سمجھ رہی تھی۔ قصور تو اس کا اپنا تھا۔ بھلا وہ کون ہوتی تھی اللہ تعالیٰ کے کاموں میں دخل دینے والی' نوشین بھی تو اس کی طرح گری تھی پھر اس کے زندہ سلامت دو بچے ہوئے تھے حالانکہ اسے اس سے زیادہ چوٹیں آئی تھیں اور وہ خدا کی مصلحت کو سمیر کا گناہ سمجھنے لگی تھی۔ اسے مورد الزام ٹھہرانے لگی تھی' وہ اپنے آپ پر بہت نادم تھی۔ رو رو کر اللہ سے معافی کی دعائیں کرتی رہی۔

اسے اماں ایک بار پھر لینے آئی تھیں' وہ ان کے گلے لگ کر رونے لگی تو وہ اسے حوصلہ دینے لگیں۔

"صرف اک بار چلی چل میری بچی' سمیر بہت چاہتا ہے تجھے' پوری پوری رات جاگ کر گزار دیتا ہے ضمیر کی لعنت ملامت سے گھبرا کر میری گود میں منہ چھپالیتا ہے وہ بہن بھائیوں اور باپ سے راضی ہو کر بھی ناراض لگتا ہے' آج اس کے ابو میرے ساتھ آرہے تھے' تجھے لینے کے لیے میں نے منع کر دیا میں نے کہا آج میں تجھے لے آؤں گی۔ چل میری بچی چلی چل میرے ساتھ تجھے اس محبت کا واسطہ جو تو سمیر سے کرتی ہے۔" اماں نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا تھا تو اس نے ان کے ہاتھ پکڑ لیے اور پھر اقرار میں سر ہلا دیا تو خالہ سمیت سب ہی خوش ہوگئے۔

☼ ☼ ☼

وہ آفس سے نکلا تو موسلا دھار بارش شروع ہو چکی تھی آج اس کا ارادہ عمیر کے ساتھ نیا گھر دیکھنے جانے کا تھا۔ لیکن اس موسلا دھار برستی بارش نے اس کا ارادہ بدل کر رکھ دیا۔ وہ کسی ٹیکسی میں پناہ لینے کی بجائے بائیک کو ہی استعمال میں لے آیا اور پھر اسی میں بھیگتا ہوا گھر تک پہنچا تھا لیکن گھر سے ذرا دور بائیک میں کچھ خرابی ہوئی تو وہ محلے کی ورکشاپ پہ اس کو چھوڑ کر پیدل ہی گھر کی طرف ہولیا۔ اس کا موڈ سخت آف ہو چکا تھا وہ مکمل طور پر بھیگ چکا تھا۔ اسے خوامخواہ بارش پہ غصہ آنے لگا۔ گھر پہنچا تو دروازہ بند تھا۔ دو تین بار کھٹکھٹایا تو اندر سے کوئی جواب موصول نہ ہو۔ اس نے غصے سے دروازے کو پیٹنا شروع کر دیا۔

"کیا آفت آگئی ہے۔ ٹھہر تو جاؤ' اب بندہ دروازے کے ساتھ چپک کے تو بیٹھا نہیں جو فوراً" سے کھٹ کر کے کھول دے گا ایک تو۔۔۔" وہ اس آواز پہ جہاں ساکت ہوا وہیں دروازہ کھل گیا۔ سامنے ہی کھڑے

میرون کلر کے کپڑوں میں ملبوس وہ کھڑی تھی۔ وہ بھی اپنی جگہ جیسے ساکت ہو گئی تھی۔

کچھ پل دونوں ایک دوسرے کو پلکیں جھپکے بغیر ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے پھر ارسہ کے وجود نے ہلکی سی جنبش کی اور وہ پیچھے پلٹ گئی۔

"ارسہ۔" اس کا ہر عضو اس کی آواز بنا تھا۔ وہ چہرہ دوسری طرف کر کے کھڑی ہو گئی۔ وہ بھی بارش میں بھیگ رہی تھی۔

"ارسہ تم آ گئیں؟" اس کی آواز میں گہرے دکھ کی تڑپ تھی۔

"تو کیا نہیں آنا چاہیے تھا؟" اس نے تڑخ کر کہا اور برستی بوندوں کو دیکھنے لگی۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔" وہ افسوس سے بولا۔

"تو کیا واپس چلی جاؤں؟" اس نے سختی سے پوچھا اور چہرے کا رخ موڑ کر اسے دیکھنے لگی اور اس کی آنکھوں پہ نظر پڑتے ہی وہ کمزور ہوتی چلی گئی۔

ان آنکھوں میں کیا نہیں تھا دکھ، ملال، تڑپ، چاہ، پیار، محبت، خواہش اور سب سے بڑھ کر معافی کی درخواست وہ سب کچھ بھول بھال گئی یاد رہا تو صرف سمیر جو اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"تم نے مجھے معاف کر دیا؟" اس کی بات سن کر وہ ایک لمحے میں اس کے کشادہ سینے سے جا لگی تھی۔ سیاہ لمبے بال پورے وجود پر چھا گئے تھے۔ ہوا میں اڑتی لٹوں نے سمیر کے چہرے کو بھی چھوا تھا۔ وہ اس کے سینے سے لگی سسک رہی تھی اور اس کا رواں رواں جیسے اس کے آنسوؤں میں بہے جا رہا تھا۔ بارش کے ساتھ اس کی آنکھوں سے بھی قطرے گر رہے تھے جو اس کے سیاہ بالوں میں جذب ہو گئے۔ ارسہ تو شاید بارش کے ساتھ مقابلہ کر رہی تھی وہ جو صرف بارش سے بھیگا تھا اب اس کے آنسوؤں میں بھی بھیگ رہا تھا۔ وہ روتی رہی تھی اور اس نے اسے اس لیے رونے دیا کہ وہ آخری بار رو رہی تھی اور اب اسے اس کے ہر دکھ کا مداوا کرنا تھا۔ اس کے ہر آنسو کا ازالہ کرنا تھا۔

"ارسہ میری جان، بس کرو اور کتنا رو گی دیکھو بارش کتنی تیز ہو گئی ہے۔"

اس نے اسے آہستگی سے اپنے سے علیحدہ کیا اور اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔ وہ چپ ہونے کی بجائے اور رونے لگی تھی۔ اس نے ہنستے ہوئے اس پہ اپنی گرفت مضبوط کر دی۔

"اتنا پیارا موقع بھلا بعد میں کب ملنا ہے۔ ہم دونوں آج ہی......"

کسی نے زور سے دروازہ پیچھے دھکیلا تھا وہ دونوں لڑکھڑائے نیچے گر گئے، اندر داخل ہونے والا بھی گرتے گرتے بچا تھا۔

"شاباش ہے میرے بچو، کیا گھر میں تمہارے رومانس کے لیے کوئی اور جگہ نہیں بچی تھی جو تم یہاں ...... لاحول ولا قوۃ کیا یہ سب کمرے میں نہیں ہو سکتا۔" علی محمد بہت تپے ہوئے لگ رہے تھے۔ ان کے پیچھے کھڑے عمیر نے اپنی ہنسی کو بڑی مشکلوں سے روک رکھا تھا اور وہ دونوں نیچے گرے شرمندہ شرمندہ سے سب سے نظریں چرا رہے تھے۔

برآمدے میں تمام خواتین نکل آئی تھیں۔ ان کے شرارتی چھوٹے بچوں نے اپنے چاچو، چاچی، کو یوں صحن کے بیچوں بیچ گرے دیکھا تو منہ پہ ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگے۔

وہ دونوں بھی کیا کرتے ایک دوسرے کو دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑے اٹھے تو سب کی ہنسی سے پورا

عمران ڈائجسٹ کا ایک حیرت انگیز سلسلہ

ائیر ہوسٹس

اب دو حصوں میں شائع ہو گئی ہے۔

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، ۳۷ اردو بازار کراچی

گھر جھوم اٹھا۔

"مجھے تم سے محبت ہے۔"

جس دن میں تمہارے چچا کے بیٹے کی شادی پہ گیا تھا وہاں تمہیں دیکھتے ہی مجھے کچھ ہوا تھا اور پھر جب بھی تم میرے سامنے آئیں میری کیفیت عجیب ہو جاتی تو میں تمہارے واسطے تجف کے ساتھ لڑ پڑا تھا۔ اور پھر خدا نے ایسا وسیلہ پیدا کر دیا کہ تم میری ہو گئیں۔ پہلی رات میں تم پہ اس لیے بگڑا کہ تم منہ میں زبان رکھتے ہوئے بھی اس کا استعمال نہیں کرتی تھیں۔ دو دن تم سے اس لیے رخ پھیر کر سویا رہا کہ میں چاہتا تھا کہ تم اس گھر کو اپنا گھر سمجھو، حق استعمال کرو، کمرے پہ اپنی ملکیت جتاؤ لیکن تم تو احساس کمتری میں مبتلا چپ چاپ ایک کونے میں پڑی رہیں میں اکتا گیا تمہاری کم ہمتی پر میں سمجھتا تھا تم میرے غصے پر کوئی رد عمل ظاہر کرو گی لیکن تم نے کوئی احتجاج نہ کیا تو مجھے مزید غصہ آ گیا۔ میں چاہتا تھا تم مجھ پہ 'اس گھر پہ' اس گھر کی ہر چیز پہ اپنا حق جتاؤ تم بھی اپنے نام کی ایک تھیں۔"

اس کا سر اس کے شانے پہ دھرا تھا وہ ہولے ہولے اس کے بالوں میں انگلیاں چلا رہا تھا۔ "پھر غصے میں' میں نہ جانے کیسا رویہ روا رکھتا رہا مگر تم خاموش رہیں۔

جس دن **عمیر** (خالہ کا بیٹا) ہمارے گھر آیا تھا اس دن تمہاری ہنسی کی آواز باہر تک آ رہی تھی اور جب مردانہ آواز آئی تو حقیقتاً" مجھے غصہ آیا اور **عمیر** سے مل کر مجھے غصہ اس کے آنے کا نہیں تھا بلکہ تمہاری بے تکلفی کا تھا۔ کہ تم میری بجائے اس سے فری تھیں' میں چاہتا تھا جس طرح تم **عمیر** 'اماں' بڑی اماں **عمیر** بھائی وغیرہ سے ہنستی ہو' کھلکھلاتی ہو اسی طرح میرے ساتھ بے تکلف رہو' یہی بات میرے لیے غصے کا باعث بنی تھی کہ تم ان سب سے بے تکلف تھیں سوائے میرے اور پھر سونے پہ سہاگہ جب تم نے بچے والی خوشخبری سنائی تو وہ بھی ڈر ڈر کر۔ پھر مجھے غصہ نہ آتا تو کیا آتا اور بعد میں مجھے تم پر اس لیے غصہ آتا تھا کہ تم "ہمارا بچہ" کہنے کی بجائے صرف "میرا بچہ" کہتی تھیں تم یقین نہیں کر سکتیں تب میرا جی چاہتا میں تمہارا گلا گھونٹ دوں۔ جس دن وہ برا حادثہ پیش آیا اس دن شگفتہ بھابھی نے تم سے پوچھا تھا "کیا میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں؟" "تم نہیں جانتیں اس وقت میرا ہر عضو سماعت بن گیا تھا۔ لیکن تم نے کوئی جواب نہ دیا تو میں سخت مایوس ہوا۔ پھر بھائی نے جب میرے ماضی کے بارے میں باتیں کی تھیں اور تم نے میری طرف سے جھوٹ بولے تھے وہ میں نے سب سن لیے تھے۔ میرے اندر تک سرشاری پھیل گئی تھی۔ میرے سامنے سے تمام اندھیرے چھٹ گئے تھے۔ مگر میں انا کا مارا اپنی غلطی تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں تھا پھر وہ کچھ ہو گیا جو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔"

اس نے اس کے خوب صورت چہرے کی طرف دیکھا اور پھر سے اس کے کندھے پہ سر رکھ دیا۔

"وہ جو کچھ ہوا اس میں خدا کی مرضی تھی میں خومخواہ آپ کو الزام دیتی رہی۔"

"ہاں نقصان تو بڑا تھا مگر ایک فائدہ بھی ہوا مجھے اپنی ساری غلطیوں کا احساس ہو گیا۔

میں نے ان سب سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگ لی اب تم بھی معاف کر دو۔"

"جو ہونا تھا ہو گیا اب اس کا کیا ذکر۔"

"اس کا مطلب ہے تم نے مجھے معاف کر دیا تو پھر ....." اس نے معنی خیزی سے کہا۔

"آپ بھی نا بس ....." اس نے تھوڑا سا مسکرا کر اس سے پہلے اس کی فراخ پیشانی پہ ہونٹ رکھ دیے۔ سمیر کے اندر تک طمانیت پھیل گئی۔

نہ چھیڑو ہمیں بار بار
ہم کچھ پاگل پاگل ہیں
کر دیتے ہیں وہ جو دل میں آئے
ہم بہت پاگل پاگل ہیں

اس نے سرگوشی کے سے انداز میں اس کے کان میں کہا دونوں کھلکھلا کر ہنس دیے۔

✡ ✡